قیمت ۸؎، ملنے کا پتہ: شاہ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور،

یہ انگریزی مین مشہور صاحب قلم ڈاکٹر زکی علی کا مضمون ہے، جس مین انھون نے دکھایا ہے، کہ اسلام کو جو لوگ علوم کی ترقی مین حائل بتاتے ہین، وہ غلطی پر ہین، جس کا یورپ کے منصف مزاج مصنفون اور محققون نے اعتراف کیا ہے، آٹھوین صدی مسیحی سے تیرہوین صدی مسیحی تک علوم و فنون کے تنہا علمبردار مسلمان تھے، مسلمانون کی علمی خدمات خصوصًا فنِ طب مین اُن کے کمال پر مؤلف نے تاریخی شہادتین پیش کی ہین، یہی مضمون کتاب کی جان ہے، کتاب تین فصلون پر مشتمل ہے، پہلی فصل کی سرخی "اسلام کے اصول" ہے، یہ فصل آغاخان کی لکھی ہوئی ہے، اس مین انھون نے اپنی اسماعیلیت کا اعلان کرتے ہوے لکھا ہے" مگر مین اس بحث مین نہ تو اپنا خاص مسلک پیش کرنا چاہتا ہون، اور نہ سنی یا شیعی مسلک، بلکہ صرف یہ مقصد ہے کہ مغربی قارئین کے سامنے اس وسیع سرچشمہ کو پیش کردون جس کا منبع مدرسہ غزالی کے خیالات ہین" دوسری فصل ڈاکٹر زکی علی کی لکھی ہوئی ہے، جو اوپر مذکور ہوئی، تیسری فصل بھی آغاخان ہی کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، مگر ان کے نام کے نیچے ڈاکٹر زکی علی کا نام بھی ہے، اس فصل مین باطنی مسلک کے اس عقیدہ کو دہراتے ہوئے کہ قرآن کا ایک باطنی مفہوم بھی ہوتا ہے، سنیون کے مسلک اجماع کی طرف اشارہ کیا ہے، اور مسلمانون کو مشورہ دیا ہے، کہ وہ ازہر مین تمام فرقِ اسلامیہ کے مجتہدون کا اجماع کرکے نئے سرے سے ایک نئے اجماع کی بنیاد ڈالین، مشورہ تو خوب ہے مگر اس مشورہ اور فصل اول کے مضمون کا فصل سوم کی بحث سے کوئی جوڑ نہین، مقدمہ مین مولفین نے لکھا ہے کہ جنگ کے بعد دنیا کی جب ازسرنو تنظیم کی فکر ہوگی، اس وقت اسلامی اصول پر لوگون کو غور کرنے کا موقع ملے گا، اس سے خیال تھا، کہ اس کتاب مین اسلام کے ایسے اصول پیش کئے جائینگے، جن کی اس وقت دنیا کو ضرورت ہے، مگر ہمارا یہ خیال غلط نکلا، تاہم اس کتاب کی فصل دوم قابلِ قدر ہے،

جلد ۶۱ ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۸ء عیسوی عدد ۵

مضامین

شذرات

ہم نے بار بار لکھا کہ ہندوستان مین اردو کو یکسر نظرانداز کردینا کسی حیثیت سے بھی مناسب نہین، اور اس کا کوئی اچھا نتیجہ نہین نکل سکتا، ممکن ہو کار فرمایان حکومت وقتی حالات وجذبات سے مغلوب ہوکر اردو کو نظرانداز کردین لیکن آیندہ وہ اس غلطی کو محسوس کرین گے، خوشی کا مقام ہو کہ کانگریس نے جلد اس کو محسوس کرلیا، اور آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے دلی کے جلسہ مین ہندستانی کو ہندوستان کی زبان قرار دیا ہے، لیکن رسم الخط کا مسئلہ پوری طرح صاف نہین کیا گیا ہو، حالانکہ بڑا اختلافی مسئلہ یہی ہے، اس کے بغیر یہ قرارداد ناقص ہے، ہندوستانی کی تعبیر تو ہر جماعت اپنے اپنے نقطۂ نظر سے کرسکتی ہے، اور اس کا صحیح فیصلہ رسم الخط ہی سے ہوسکتا ہے، اس سے زیادہ واضح بیان پنڈت جواہر لال نہرو کا ہے جس مین انھون نے تصریح کیساتھ کہا ہے کہ

"ہندوستان کی زبان عوام کی زبان ہونی چاہئے، اور اس مین وہ تمام الفاظ استعمال کئے جائین، جو عام طور سے بولے اور سمجھے جاتے ہون اور ہماری زبان ہندی اور اردو دونون رسم الخط مین لکھی جانی چاہئے" اردو کے حامی اس سے زیادہ اور کچھ نہین چاہتے،

جب کانگریس ہندوستانی ہی کو ہندوستان کی زبان مانتی ہے تو پھر اس کے عملی نفاذ اور اس کے رسم الخط کے متعلق صاف وصریح فیصلہ مین کیا تامل ہو، محض زبانی فیصلہ بے کار ہوگا، اس لئے کہ حکومتین کانگریس کے بہتیرے اصولون اور قراردادون کی عملی پابندی ضروری نہین سمجھتین، زبان کا مسئلہ کانگریس کے دعوی جمہوریت کا بھی امتحان ہو، اس لئے ہم کو توقع ہے، کہ وہ دستور ساز اسمبلی سے بھی اس کو منوائے گی، اور اس کو عملاً بھی نافذ

کرے گی، ابھی حال مین بعض ذمہ دار سوشلسٹ لیڈرون نے اپنے بیانات مین ہندوستانی کو ہندوستان کی زبان اور دونون رسم الخط کو تسلیم کیا ہے، معلوم نہین آیندہ حکومت کی کرسی پر پہنچنے کے بعد بھی یہ بیان یاد رہین گے، یا طاق نسیان کے حوالہ ہوجائین گے، ع تا بدولت برسی ہمت نہ گردی مردی"

ایران اور ہندوستان کے درمیان صدیون تک گوناگون تعلقات رہ چکے ہین، اور تیموریون کے زمانہ مین تو ایران کے بڑے بڑے علما، اور اصحاب کمال ہندوستان کھنچ آئے تھے، جن سے یہان کی علمی وادبی رونق بہت بڑھ گئی تھی، اور ہندوستان شیراز اور اصفہان کا خطہ معلوم ہوتا تھا، لیکن تیموری حکومت کے خاتمہ اور ایران کے سیاسی زوال کے بعد دونون ملکون مین بہت کم رابطہ رہ گیا تھا، تاہم وقتاً فوقتاً ان مین علمی وادبی تعلقات کے قیام کی کوششیں ہوتی رہین، اس سلسلہ مین ۱۹۳۲ء مین کلکتہ کے چند اصحاب علم نے جن مین ہندو مسلمان دونون بلکہ غالباً وہان کے مقیم ایرانی بھی شامل ہین "بزم ایران" کے نام سے ایک علمی مجلس قائم کی ہو، اس کے موجودہ صدر ڈاکٹر بی ام بروا ڈی لٹ اور سکریٹری ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی ہین

ڈاکٹر محمد اسحاق کو ایرانی ادبیات سے خاص ذوق ہو، انھون نے جدید فارسی شاعری پر ایک ضخیم کتاب بھی لکھی ہو، جو کئی سال ہوئے شائع ہوچکی ہو، بزم ایران کی جانب سے انگریزی مین ایک سہ ماہی رسالہ "انڈو ایرانیکا" نکلتا ہے، اس مین فارسی ادبیات اور ایران سے متعلق دوسرے پہلوؤن پر مفید مضامین ہوتے ہین، بزم مذکور والہ داغستانی کا مشہور تذکرہ ریاض الشعراء بھی تصحیح وتحشیہ کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ رکھتی ہو، اور آیندہ دسمبر مین مشہور حکیم ابوریحان بیرونی خوارزمی کی ہزار سالہ برسی منانے والی ہے، حکیم مذکور گو نسل و وطن کے اعتبار سے عجمی تھا، لیکن اوس نے برسون ہندوستان مین رہ کر سنسکرت زبان اور ہندوستانی علوم کی تحصیل اور ان مین بڑی دستگاہ پیدا کی، جس کی شاہد اس کی مشہور تصنیف کتاب الہند ہو، اسکی

نیز سنسکرت زبان مین بھی مشکل سے ملیگی، اس لئے ہندوستان پر اس کا حق ہے، اور یہان کے اصحاب علم کو چاہئے کہ وہ اس اہم کو علمی حیثیت سے کامیاب بنانے کی پوری کوشش کرین، اور بیرونی کے سوانح اور اس کے علمی کمالات پر تحقیقی مقالات لکھین کہ اس کے شایان شان اس کے حالات مین ایک مجموعہ مرتب ہوجائے،

پاکستان مین ایک اسلامی اکیڈمی کا قیام زیر تجویز ہے اور اس کی تشکیل کے لئے کمیٹی بھی بن گئی ہے جس مین ہندوستان کے اسلامی علوم کے ماہرین کے نام بھی ہین، حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کو خصوصیت کے ساتھ اس مین شرکت کی دعوت دی گئی ہے گو ابھی اسکی تفصیل نہین معلوم ہوئی ہے لیکن پاکستان کیلئے اس قسم کی اکیڈمی ضروری ہے، ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایسا گہرا رابطہ ہے کہ وہ سیاسی تقسیم سے نہین ٹوٹ سکتا، اور اُن کے بہت سے مفاد و مصالح ایسے مشترک ہین جن مین وہ اشتراک عمل اور ایک دوسرے کی مدد لینے پر مجبور ہین، خصوصاً علم و ادب کی بزم صفا کو سیاست کی مکدر فضا سے دور رکھنا چاہئے اور پاکستان و ہندوستان کے علمی ادارون اور اصحاب علم کو بلا تفریق مذہب و ملت ایک دوسرے سے افادہ و استفادہ مین تامل نہ کرنا چاہئے،

کانگریس سے سوشلسٹ کی علحدگی، ہندوستان کی سیاست مین ایک اہم تغیر ہے جس کے نتائج بڑے دور رس ہین جہانتک قوم اور ملک کی خیر خواہی اور خدمت کا تعلق ہے، دونون کا مقصد ایک ہی ہے لیکن اس کے حصول کے وسائل اور طریقہ کار دونون کے جدا ہین اور آیندہ وہی جماعت عوام مین مقبول اور کامیاب ہوگی جس کا طریق عمل ان کے لئے زیادہ مفید ہوگا، کانگریس عوام مین مقبولیت اور ان کی تائید ہی کی بدولت اس درجہ کو پہنچی ہے لیکن اس کا مقابلہ ایک غیر ملکی اور مستبد حکومت سے تھا اس لئے سارے ہندوستانی اس کے ساتھ تھے اور آیندہ مقابلہ جمہوری خدمت اُن کے مفاد کی حفاظت اور ان کے ساتھ عدل و مساوات مین ہوگا اور اس مقابلہ مین وہی جماعت کامیاب ہوگی جو عوام کے مطالبات پورے کرے اور اس کو مطمئن کر سکے گی اور اس کا فیصلہ خود ان کے طرز عمل پر موقوف ہے، حکومت کا بقا و استحکام خود اس کی قوت پر نہین بلکہ عوام مین مقبولیت اور ان کی تائید پر منحصر ہے،

مقالات

تجدید تعلیم

از

جناب مولانا عبد الباری صاحب ندوی

(۳)

مدارس کی اصلاح یہ تو علماء کے فرائض و مشاغل کے متعلق اصلاحات تھین، اس کے بعد جان علماء بنے ہین، یعنی مدارس کی بعض اصلاحات کا بیان ہے، ان مدارس کی مجددانہ نگاہ مین اتنی اہمیت ہے کہ فرماتے ہین :-

"اس مین ذرا شبہہ نہین کہ اس وقت علوم دینیہ کے مدارس کا وجود مسلمانون کے لئے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق متصور نہین، دنیا مین اگر اس وقت اسلام کے بقا کی کوئی صورت ہے، تو یہ مدارس ہین، کیونکہ اسلام نام ہے، خاص عقائد و اعمال کا جس مین دیانات، معاملات، و معاشرات، اور اخلاق سب داخل ہین، اور ظاہر ہے کہ عمل موقوف ہے علم پر، اور علوم دینیہ کا بقا بظاہر گو خاص مدارس پر موقوف نہین، مگر حالات وقت کے اعتبار سے ضرور مدارس پر موقوف ہے"

لیکن ساتھ ہی ان مدارس مین ہم جیسے خدام و عمال کی سوء تدبیر سے متعدد ایسے امور

پائے جاتے ہین، جن کی اصلاح بہت ضروری ہے، اور یہ اصلاح نہ ہونے سے اہل علم کی جماعت
ہدفِ ملامت بھی بنتی ہے، اور ان مدارس کے قائم کرنے کی خود جو روح و غایت ہے، یعنی
عمل بالدین، وہ بھی ضعیف ہو جاتی ہے، اور لوگ علومِ دینیہ سے متوحش و نفور ہو جاتے ہین،
تو اس طرح یہ جماعتِ علم گویا یصدون عن سبیل اللہ کا سبب بن جاتی ہے؛"

چندہ کے متعلق خاص و اہم تجدیدی اصلاح

ایک بہت ضروری اصلاح جس کی طرف جا بجا متوجہ فرمایا گیا ہے، اور جو حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی خاص تجدیدی اصلاحات مین داخل ہے
اور جس مین عوام و خواص علماء و غیر علماء، لیڈر و مشر سب ہی مبتلا ہین، اور یہ کہ اِنَّ اللہ طیبٌ ولا یقبلُ
الا الطیب اور لا یحل مال امرءٍ الا بطیب نفسہ کی صریح نصوص ہوتے ہوئے مدارس کے چندون
مین مال کے حلال و طیب پر کتنا چاہئے، کہ بالکل نظر ہی نہین ہوتی، مثلاً چندہ لینے مین دینے والے کے
طیبِ نفس کی بالکل ہی پروا نہین کی جاتی، بلکہ طرح طرح کے اثرات اور دباؤ سے کام لے کر زیادہ
سے زیادہ وصول کر لینا ہی بڑی حسن تدبیر اور کمال خیال کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ
بعض جگہ دوامی چندہ کا وعدہ کرنے والے کی موت کے بعد وارث اس چندہ کو جاری
رکھتے ہین، اور اہلِ مدارس اس کی تحقیق نہین کرتے، کہ ان لوگون نے اپنی ملک خاص سے
جاری رکھا ہے، یا ترکۂ مشترکہ سے اور اس ترکۂ مشترکہ مین کوئی یتیم یا غائب یا غیر راضی
کی ملک تو نہین شریک ہے، اسی طرح میت کے کپڑون کو مدرسہ مین لیتے وقت میت
کے ورثہ اور ان کے بلوغ و رضا کی تحقیق نہین کیجاتی"
دوامی چندہ مین جو آخر سال بقایا واجب رہ جاتا ہے، اس بقایا کا طلب کرنا (جس کا
عام رواج ہے) امر منکر معلوم ہوتا ہے اس سے صاحبِ چندہ کی نادہندی اور
خلاف وعدگی کا اظہار ہے، مدرسۂ کانپور[1] مین اس کی اصلاح اسی طرح کی گئی تھی کہ

[1] جو خود حضرت کی نگرانی مین تھا،

روئداد مین صرف وصول شدہ چندہ لکھا جاتا، اور بقایا کو مدرسہ کے خاص رجسٹر مین رکھکر بذریعۂ
خط یاد دہانی کر دیجاتی تھی، اور یاد دہانی مین بھی میرے نزدیک ضروری ہے، کہ لزوم و تاکید کے الفاظ نہون
بلکہ تصریح کر دی جائے، کہ اطلاع دیجاتی ہے، اگر رغبت ہو تو بھیجدیجئے ورنہ آپ آزاد ہین، اور
یہ کبھی نہ خیال کیا جائے کہ اس طرح کون دیتا ہے، یہ خیال غلط ہے، جتنا آنا ہوتا ہے آتا ہے، اس کا
کامل تجربہ ہو چکا ہے، ہرگز وسوسہ نہ کیا جائے؛"
جب خود مدرسہ چلانے والے علماء و اکابر مین استغنا و توکل بھی نہین ہوتا، تو وہان کے پڑھنے والون
مین خدا اور دین سے کسی خاص تعلق کی توقع کہان تک ہو سکتی ہے،
"بعض لوگ چندہ کی رقمون مین اس طرح بیجا اخراجات اور خلاف اذن تصرفات کرتے ہین
جیسے گویا ان کی ملک ہے، اس مین بہت احتیاط کرنا چاہئے"
لیکن اس کی احتیاط بہت کم کیجاتی ہے، ایک مشہور مدرسہ مین تو مسجد تک کا روپیہ بے تکلف دوسری
مدون مین صرف کیا جاتا رہا، جو نہین معلوم مسجد بنتے وقت پھر کس کس طرح ادا کیا، اور کرایا گیا، بھلا ایسی نگاہون
مین ظاہری تدابیر و انتظام کے باوجود اگر تقوی و تدین نہ پیدا ہو تو کیا تعجب ہے،

طلباء دین کی ذلت سے حفاظت

اکثر جگہ جہان طلبہ کو لوگ ذلیل و حقیر سمجھتے ہون، طلبہ
کسی کے گھر کھانا لینے نہ جائین، اس مین علم اور اہلِ علم کی سخت اہانت ہے، نیز ایک اخلاقی
خرابی یہ ہے، کہ اس عادت کی بدولت دوسرون سے مانگنے مین طبعی انقباض یعنی جھجک نہین
رہتی، اور یہی طبعی انقباض حیا کی ایک بڑی فرد ہے، جو ذلت کے سوال سے انسان کو
روکتی ہے، جب یہ نہ رہی تو رکنا طبعاً نہ ہو گا، عقلاً ہو گا، اور غرض ایسی چیز ہے، جو عقل
مانع کو بہت جلد رفع کر دیتی ہے، ایسے وقت طبعی مانع ہی کی ضرورت ہوتی ہے، جب وہ
نہ رہا تو اس شخص کو جب موقع ہو گا، ہاتھ پھیلا دے گا، نیز جب دل مین ایسے شخص کی قدر و منزلت

نہ رہی، تو اس کا وعظ کیا نافع ہوگا؟

اس لئے جو طالب علم کو کھانا دینا چاہے مدرسہ میں بھیج دے، اسی طرح دعوت میں بھی طلبہ کو نہ بھیجا جائے، جس کو کھلانا ہو مدرسہ میں لاکر کھلائے، اور ہرچند کہ پہلے بزرگوں نے اس کو جائز رکھا تھا، لیکن اس وقت کے دنیادار عوام اہلِ علم کو ذلیل نہ سمجھتے تھے، بلکہ ان کے آنے کو اپنے گھر کے لئے موجب برکت سمجھتے تھے، تو یہ مفسدہ نہ تھا، اور خود طلبہ کے کبر کا معالجہ بھی اس میں ہوتا تھا؟

اور اسی کی ایک صورت طلبہ کو چندہ کی فراہمی کے لئے بھیجنا ہے، اس کے بھی وہی آثار و مفاسد ہیں، جو کھانا لینے کے لئے گھروں پر جانے کے؛

طلبہ کی وضع ولباس | بعض مدرسوں میں طلبہ کے اعمال اور وضع ولباس پر روک ٹوک نہیں ہوتی، اس سے جو اثر عوام و خود طلبہ پر ہوتا ہے، وہ محتاج بیان نہیں"

لیکن اس حسن فہم کو کیا کہئے کہ جس چیز کی ضرورت حضرت علیہ الرحمہ کے نزدیک محتاج بیان نہیں وہ بعض بڑے مشہور دینی مدارس اور ان کے اکابر کے نزدیک سرے سے یا چنداں محتاج توجہ نہیں، حالانکہ اہلِ فہم کے لئے "الناس باللباس" کا اصول دونوں اعتبار سے نہایت حکیمانہ ونفسیاتی ہے، جیسا آدمی ویسا لباس اور جیسا لباس ویسا آدمی یعنی جس طرح باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے، اور ظاہر کی وضع ولباس باطن کے خیالات ورجحانات کی غماز ہوتی ہے، اسی طرح ظاہر کا اثر باطن پر بھی پڑتا ہے، یعنی ظاہر کی وضع ولباس کو باطن کے خیالات ورجحانات کے بنانے بگاڑنے میں دخل ہوتا ہے، موٹی بات ہے کہ ہماری وضع وقطع ہماری اندرونی پسند ناپسند کے تابع ہوتی ہے جیسے اور جن عادات واخلاق کے لوگوں کو ہم پسند کرتے، اور جن کی ہماری دل میں کسی اعتبار سے عظمت ومحبت ہوتی ہے، انہی کی وضع ولباس اور طور وطریق کو ترجیح دیتے اور اختیار کرتے ہیں، آج کل کے اکثر جوان اور بوڑھے جو امردبنے پھرتے ہیں، ان سے راقم احقر بھی یہی عرض کرتا ہے، کہ یہ داڑھی مونچھ کے چند بالوں یا مرد ہوکر امرد بننے یا نسوانی صورت بنانے کا سوال نہیں، بلکہ درپردہ اس امر کا اظہار و اعلان ہے کہ ہمارے قلب میں کرزن اور کرزنیوں کی وقعت وعظمت معاذ اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور محمدیوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے، اور کرزن کی شکل وصورت معاذ اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کی صورت سے زیادہ پسندیدہ ومحبوب ہے، کون نہیں جانتا کہ جس کی ہمارے دل میں جتنی زیادہ محبت وعظمت ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ ہم طبعاً اس کی ایک ایک ادا اور نقل وحرکت کی نقالی کرتے ہیں، اور اس کی حرکات وسکنات کے معقول یا نامعقول ضروری اور غیر ضروری ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، نہ فرض ووجوب استحباب واباحت کی بحث کی جاتی ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم جو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک ایک ادا پر جان دینے اور اتباع کا اہتمام فرماتے تھے، اس میں شرعی بحث سے زیادہ طبعی راز یہی ہے، کہ ان کے رگ و ریشہ میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظمت ومحبت پیوستہ تھی،

اب دوسری طرف لیجئے کہ اگر کسی بزدل ونامرد کو بھی پولیس وفوج کی وردی پہنا کر کھڑا کردیں، تو تھوڑی دیر کے لئے اس کے اندر بھی مردانگی کی ایک جھرجھری پیدا ہوجائے گی، فوج وپولیس کے سپاہی جب گھریلو لباس اُتار کر اپنی وردی یا یونیفارم پہن لیتے ہیں، تو اپنے فرائض ومنصب کا شعور قدرۃً نیز تازہ ہوجاتا ہے، پولیس کا کوئی سپاہی اگر وردی میں خود چوری کرتے پکڑا جائے، تو زیادہ مجرم ومجوب ہوگا، کہ جو وردی چوروں کے پکڑنے کو پہنائی گئی تھی، اس میں خود چوری کرتے پکڑا گیا، کافروں اور فاسقوں کی وضع قطع ہیئت وصورت اختیار کی جائے، تو کفر وفسق ہی کے میلانات کو تقویت ہوگی، اور اگر آدمی مختوم القلب نہ ہوگیا ہو، تو نیکوں ومتقیوں کے ریائی لباس میں بھی فسق وفجور کے ارتکاب سے قدرۃً شرم وجھجک ہوگی، ظاہر کے تغیرات کا باطن کے میلانات وجذبات پر اثر پڑنا نفسیات کی مسلّمہ وبدیہی حقیقت ہے،

افسوس کہ فکر و فہم کے قحط اور تقلید و نقالی کی وبا کی بدولت ایسی موٹی باتون کی بھی اتنی تفصیل کرنی پڑی، جو واقعۃً حضرت علیہ الرحمۃ کے بقول سرے سے محتاج بیان ہی نہ تھین، بہرحال اب یہ وبا اچھے اچھے عربی و دینی مدارس مین پھیل رہی ہے، کہ اپنے بزرگون اور صلحا و اتقیا، کی صورت کے بجائے اغیار اور کفار و فساق کی سج دھج کی کھلے چھپے نقالی ہوتی ہے، داڑھیون پر اگر استرے کا وار کسی مجبوری یا مصلحت سے نہین ہوپاتا، تو قینچی کی نوازش اس کو مسنون حد تک تو مشکل ہی سے جانے دیتی ہے، بہت سے طلبہ اور بعض اساتذہ تک کے انگریزی بال ٹوپیون کے اندر اہتمام کے ساتھ چھپائے جاتے ہین، محبوب وضع کی حفاظت بہرحال لازم ہے، خواہ اظہار کی بے تابی کے باوجود کسی مجبوری سے اخفا کی مصیبت ہی جھیلنا پڑے، پائجامون کا ٹخنون سے اوپر رکھنا بھی اکثر بادل ناخواستہ ہوتا ہے، اس لئے ان کی کتر بیونت جدید ہی رہتی ہے، کہ جب موقع ملا، نیچے کھسکا یا اور چڑھالیا، ! پھر بھی "مولویت" کی ذلت کو کرتا خصوصاً اگر ذرا لمبا ہو فاش کر دیتا تھا، سو اس کی جگہ قمیص تو گویا اب عربی طلبہ بلکہ اساتذہ تک مین ایک بالکل بے عیب فیشن ہے، اور بعض عربی مدارس جو زیادہ روشن خیال و ترقی یافتہ ہین، اُن کی ورزشون اور کھیلون مین بھی ہاکی فٹ بال وغیرہ ہی مقبول ہین، اور نام کی اصلاحی انجمن (یونین کی نقالی) کی ترقیون کے سلسلہ مین فخریہ اخبار مین شائع ہوتا ہے، کہ انعام مین کپ اور میڈل تقسیم ہوئے، غرض اب قرآن و حدیث پڑھنے والے یہ طالب علم اپنے نزدیک ملٹن و شکسپیر پڑھنے والی برادری کی نگاہ مین زیادہ رسوا نہین،

خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اس روش کی شرعی حیثیت جو بھی ہو، لیکن اس سے کوئی حقیقی عزت غیرون کی نگاہ مین تو کیا ہوتی، خود اپنی نگاہ مین اپنی ذلت اور احساس کمتری کا پکار پکار کر اعلان ہے، اور دنیا کی نظر مین دنیا کی عزت بھی طبعاً و عقلاً انہی کی ہوتی ہے، جن کی نظر مین خود اپنی اور اپنے دینی و قومی شعار کی عزت ہو،

اس کے علاوہ جو مولوی یا مدارس دینیہ کا جو طالب علم "اسکول ماسٹر یا اسٹوڈنٹ" کی وضع قطع مین نظر آتا ہو، اس سے قدرۃً ایک عامی آدمی انگریزی کا خط یا تار ہی پڑھوانا چاہے گا، نہ کہ کوئی فتوی یا دینی مسئلہ دریافت کرنے کا خیال کرے گا، آخر جن کے بنائے ہوئے مسٹرون کی بوزنہ دار تقلید مین ہم دیوانے ہین، اُن کے مولویون (پادریون) کی بھی کم از کم اب تک تو ایک خاص وضع ہی محمود خیال کیجاتی ہے، بلکہ داڑھی تک وہ بھی ایک مشت سے زائد مقدار کی اُن کے چہرون کو بھی ایک مذہبی و مقدس جماعت کا چہرہ ظاہر کرتی ہے، اس سے بھی بڑھ کر یونیورسٹیان اپنے طلبہ تک کے لئے خاص خاص یونیفارم مقرر کرتی ہین، لہذا اس ذوق تقلید ہی کی دلیل سے سہی اگر ہمارے علماء اور دینی طلبہ کا بھی کوئی یونیفارم ہو تو آخر اس مین کیون ذلت محسوس کرین؛

حاصل یہ کہ لباس و وضع کا معاملہ خفیف و حقیر ہرگز نہین اس کے مصالح و مفاسد دونون اشد بھی ہین، اور جنھون نے اپنے دین کو اغیار کے دباؤ سے کچھ آزاد کر لیا ہے، اُن کی نگاہ مین اظہر بھی، اور اتنی تفصیل محض ہماری مغرب زدہ مرعوبیت و غباوت کی بنا پر ضروری ہوئی،

عطاے سند مین بے احتیاطی و نقالی

ایک اور بہت بڑا خطرناک مرض تمام مدارس مین نقالی ہی کی راہ سے یہ پھیل گیا ہے، کہ پاس فیل کے کچھ نمبر مقرر کر لئے گئے ہین، جس نے ان کو الٹے سیدھے کسی طرح حاصل کر لیا، بس اُس کے ہاتھون مین عالم و فاضل اور مقتداے دین ہونے کی ایک سند پکڑا دی گئی، نہ سند پکڑاتے وقت علم کی استعداد و صلاحیت کو دیکھا جاتا ہے، نہ عمل کے صلاح و تقوی کو اس کی نسبت ارشاد ہے کہ

"بعض مدارس مین ایسے لوگون کو سند فراغ دیدی جاتی ہے یا دستار بندی کر دی جاتی ہے، جو باعتبار علم یا صلاح و عمل کے اس کے اہل نہین ہوتے، جب ان لوگون کی علمی و عملی کوتاہیان دوسرون پر ظاہر ہوتی ہین تو سارے علماء کو ان پر قیاس

کرکے بے بدظنی ہوجاتی ہے، تو دین کے معاملات مین پھر کس سے رجوع کرین گے، کس کے قول پر عمل کرین گے، پھر دین کا کیا حشر ہوگا، تو ان مفاسد کا سبب وہ بے احتیاط لوگ ہوئے، جو نااہلون کو قوم کے سامنے سند دے کر اہل ظاہر کرتے ہین"۔

شاید اس رسالہ کی تحریک کے وقت حضرت علیہ الرحمۃ کی نظر مین بعض مدارس ہی ایسے رہے ہون، اب تو کوئی استثنا نظر نہین آتا، اگر اس ایک بات ہی کی اصلاح کا پورا اہتمام مدارس دینیہ کرلین تو انشاء اللہ علم و عمل دونون اعتبار سے خدمتِ دین کے لئے اوسط درجہ کے علماء کا اثر بہت بڑھ جائے،

قواعد کی پابندی مین سستی

تعلیم و تعلم وغیرہ کے معاملات میں اب اکثر عربی مدرسون مین طلبہ کی خواہش و مذاق اور کثرتِ تعداد کے مقابلہ مین اصول و قواعد کی پروا کم کیجاتی ہے، اس سے بھی وہی مذکورۂ بالا قسم کے مفاسد پرورش پاتے ہین، اس لئے ضروری ہے، کہ طلبہ کو قواعد کا پابند بنایا جائے، خواہ اُن کی تعداد کم ہی کیون نہ ہوجائے، کام کے دوچار ناکارہ سو دوسو سے افضل ہین،

تجوید و اخلاق کی تعلیم سے غفلت

اکثر مدارس مین تجوید کا علم و عمل داخل نصاب نہین، اسی طرح اخلاق کی کوئی کتاب درس مین نہین، اول کی کمی کا نتیجہ یہ ہے، کہ اکثر طلبہ بلکہ علماء بھی افسوس ہے کہ قرآن مجید اچھا نہین پڑھتے، جس پر عوام بھی ہنستے ہین، کتنا بڑا ظلم ہے کہ امام عالم ہو اور نماز فقہ کی رو سے درست نہ ہو، لہٰذا طلبہ پر لازم کیا جاوے کہ تجوید علماً و عملاً حاصل کرین"

اوپر راقم سطور کہین اس معاملہ مین ایک مشہور عربی درسگاہ کا تلخ تجربہ درج کرچکا ہے کہ بچون کے لئے مکتب تو قائم کردیا گیا، اور اس مین قرآن مجید لازم بھی ہے، لیکن تجوید کیا معمولی تصحیح مخارج تک کا انتظام نہین، اور نیچے سے اوپر تک کے ذمہ دارون سے عرض کرتے کرتے تھک گیا، یہان تک کہ خود اپنے بچے کو وہان سے ہٹا لینے کا ایک بڑا سبب یہی ہوا،

بُرا نہ مانا جائے تو اصل یہ ہے کہ ایسی درسگاہون کے خود اساتذہ و منتظمین اور اکابر کے اندر دین کی

فکر و غفلت دونون کا ایسا زوال ہے کہ سمجھتے ہی نہین، کہ کس کوتاہی کا اثر کتنی دور جاتا ہے، یہ تو فکر کی کمی ہے، اگر سمجھے بھی تو غفلت کی کمی کی وجہ سے اس کی اصلاح و تدبیر مین مستعدی نہین فرماتے،

"دوسری کمی (یعنی تعلیم اخلاق کو درس سے خارج کردینے) کی مضرتین اس قدر کثیر ہین کہ بیان نہین ہوسکتا، خلاصہ یہ کہ علماء کی اس فن سے بے خبری کی بدولت جھوٹے مکار پیر بن گئے ہین، جو خلقت و دنیا کو ذبح کر رہے ہین، اس لئے چاہئے کہ اخلاق کی کتابون کو درس مین داخل کرین، (اور صرف درس اخلاق ہی کافی نہین) بعد فراغ التزاماً طلبہ محققین اہل اللہ کی خدمت مین حسب گنجایش قیام کرین، اور اُن سے عملاً آدابِ اخلاق سیکھین، اور اُن کی صحبت سے برکت حاصل کرین، اور چندے اُن کی خدمت مین آمد و رفت رکھین، جس سے کہ نسبتِ باطنہ ایک گونہ راسخ ہوجائے، تب خلق اللہ کے ارشاد کو اپنے ہاتھ مین لین، انشاء اللہ عموماً عوام اہلِ اسلام اُن سے وابستہ ہوکر جھوٹون کو چھوڑ دین گے، اور مضمون قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا آنکھون سے نظر آجائے گا"۔

بات یہ ہے کہ باطنی اخلاق کی اصلاح و درستی جن کا اصطلاحی نام فقر و درویشی یا تصوف پڑ گیا ہے، بہ دراصل دین کی روح ہے، جس کے بغیر اللہ تعالیٰ سے قلبی و روحانی تعلق پیدا نہین ہوتا، اور دین بے جان یا نیم جان رہتا ہے، لوگون کو سوکھے ساکھے دین مین خدا کی بو نہین محسوس ہوتی، ورنہ انسان کی عام فطرت تو یہ ہے، کہ

هر کجا بُوئے خدا می آید خلق را بین بے سرو پا می آید

اس لئے جہان جہل کے باوجود یہ بُو کچھ موجود ہوتی ہے، خواہ زیادہ تر نقلی و نمایشی ہی ہو لوگ پھنس جاتے، اور جہل کی گمراہیون کے ہاتھ تباہ ہوتے ہین، اس لئے علم کے ساتھ تزکیۂ اخلاق کے اجتماع کا اہتمام ضروری ہے،

اس آخر دور مین بھی دہلی کے شاہ ولی اللّٰہی خاندان مین اس اجتماع کے کیسے کیسے عظیم برکات و اثرات کا مشاہدہ ہو چکا ہے، دیوبند کا سلسلۂ خیر و برکت بھی اسی اجتماع کا فیض ہے، وہان کے اکثر اکابر و اساتذہ ظاہر و باطن کے جامع کمالات رہے ہین، فرنگی محل لکھنؤ کے بھی بہت سے اکابر دونون رنگون کے جامع تھے، لیکن اب ہر جگہ اس رنگ کے اکابر کی روز بروز کمی بلکہ فقدان ہے، دیوبند و فرنگی محل دونون پر تو مسلمانون کا موروثی حق ہے اس لئے ان دونون کے حضرات کو خصوصاً اور عام مدارس عربیہ کے حضرات کو عموماً اس جامعیت کے رنگ کو پیدا اور قوی کرنے کی طرف پوری توجہ فرمانے کی ضرورت ہے،

اصلاح درس و تدریس

قدیم طرز کے مدارس عربیہ کا درس و تدریس بھی بہت کچھ محتاج اصلاح ہو گیا ہے، مولانا عبداللہ گنگوہی کا بالکل حضرت ہی کے اصول و رنگ کا ناصح الطلبہ نام ایک مضمون ہے، جسکو خود حضرت نے پسند فرما کر "حقوق العلم" کے آخر مین شریک فرما دیا ہے، اس مین درس و تدریس سے متعلق اصلاح طلب امور کی جو تفصیل ہے، وہ ہمارے تمام قدیم طرز کے مدارس کے اساتذہ و منتظمین کے لئے لفظاً بلفظاً پڑھنے اور توجہ فرمانے کے لائق ہے.

"خلاصہ یہ کہ ایک طرف تو تحصیلِ علم کے سامان پہلے کے مقابلہ مین زیادہ فراہم ہین، کتابون کو لیجئے کہ حضرت شاہ اسحاق صاحب رحمہ اللہ کے درس مین ۲۲ آدمی بخاری شریف مین شریک تھے، اور صرف ایک نسخہ تھا، سب اس سے نقل کر کے پڑھتے تھے؛ آج ہر درس کی کتاب بلا اس محنت و مشقت کے ہر طالب علم کے پاس موجود ہے، لیکن دوسری طرف یہ حال کہ نہ کتاب کی طرف توجہ نہ اساتذہ سے انس، نہ شوق، نہ طلب نہ مطالعہ، نہ تکرار، دستار فضیلت زیب سر ہو جاتی ہے، اور استعداد کی یہ حالت کہ عبارت صحیح نہین پڑھ سکتے، املا تک درست نہین (الا ماشاء اللہ)

اس قابلیت کے ثمرات ظاہر ہے کہ درس و تدریس یا افتا وغیرہ کسی اعلیٰ خدمتِ علم کے قابل نہین ہوتے کہین وعظ کو پیشہ بنا لیا، کہین مسجد کے امام بن گئے، کہین الٹی سیدھی طب پڑھ لی، وہ بھی چلتی نہین، ان نتائج کو دیکھ کر کم عقلون نے سمجھ لیا کہ علم دین کا نتیجہ جب یہی ہے، تو اپنی اولاد کو پڑھا کر کیون برباد و رسوا کرین، اس کم عقلی کا جواب تو یہ ہے کہ

"مدارسِ اسلامیہ مین بیکار پڑے رہنا بھی انگریزی مین مشغول ہونے سے لاکھون کروڑون درجے بہتر ہے، اس لئے گو لیاقت اور کمال حاصل نہ ہو، لیکن کم از کم عقائد تو خراب نہ ہون گے، اور مسجد کی جاروب کشی اس وکالت و بیرسٹری سے بہتر ہے، جس سے ایمان مین تزلزل ہو، اور خدا رسول، صحابہ اور بزرگانِ دین کی شان مین بے ادبی ہو، جو انگریزی کا اس زمانہ مین اکثری بلکہ لازمی نتیجہ ہے، ہان جس کو دین ہی کے جانے کا غم نہین وہ جو چاہے کے اور کرے.

"لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ عربی مدارس کی اصلاح نہ ہو، یہ اصلاح بہت ضروری ہے، اگر ان کی اصلاح ہو گئی، تو ایک عالم کی اصلاح ہو گئی، اس مین شک نہین، کہ پرانے طریق تدریس سے بڑے بڑے علما پیدا ہوئے، اور اب بھی کچھ نہ کچھ ذی استعداد نکل آتے ہین، گو کم ہی سہی، لیکن اس زمانہ مین طلبہ کی کم توجہی، اور قوتِ فہم کی کمزوری کی وجہ سے یہ طریق تدریس کافی نہین،

اب تک طریقہ یہ ہے کہ پہلے طالب علم عبارت پڑھتا، اور مدرس مطلب بیان کر دیتا ہے، اگر کسی کو کچھ شبہہ ہوا دریافت کر لیا، اور آگے چل پڑے، یہ طریق مبتدیون بلکہ متوسطین کے لئے بھی غیر نافع ہے، صرف ایسے منتہی طلبہ کے لئے نافع ہے، جو فاضلانہ استعداد حاصل کر چکے ہین اور بڑے اساتذہ کے ہان مستفید ہو رہے ہین،

اس مین اصلاح کی ضرورت یہ ہے کہ خود طلبہ کی استعداد سے کام لیا جائے بلا ضرورت

ان کی، ورنہ کیا؟ خود ان ہی سے مطلب کی تقریر کرائی جائے، نیز ہر قاعدہ و مسئلہ کی کثرت امثلہ سے مشق کرائی جائے، بلکہ جو مقام طلبہ کی استعداد سے بالا ہو اسکی خود تقریر کر دے، یہ طریقہ یون تو سارے درس کے لئے مفید ہے، ورنہ ابتدائی کتابون مین تو بہت ضروری ہے، مثلاً میزان و منشعب مین ایسا نہ کیا جائے کہ سبق پڑھایا، اور اس کو رٹوا کر سُن لیا، اس سے کچھ نہین ہوتا، بلکہ ہر سبق کی بکثرت مثالون سے مشق کرائی جائے، مثلاً ماضی کی بحث پڑھائی جائے تو کم سے کم اس کے تین چار سو مختلف صیغون کی مشق کرائی جائے، اور مصادر دے کر ماضی کے صیغے بنوائے جائین، اور ماضی کے صیغون کی اردو دیجائے، کہ اس کی عربی بنا دین، اگرچہ اس اجرا مین ایک ہی سبق مین کئی روز صرف ہو جائین،

اسی طرح جب نحو میر تک پہنچے تو ہر قاعدہ کے متعلق چھوٹے چھوٹے عربی جملے دیکر اردو ترجمہ اور اردو کے جملے دیکر عربی بنوائی جائے، حتی کہ نحو میر کے ختم پر طویل طویل سلیس عبارتین اردو کی دے کر عربی بنوائی جائے، اور سلیس عربی کا ترجمہ کرایا جائے، اس طرح جب نحو میر ختم ہو گی تو شرح ماتہ و ہدایت النحو کی عبارت طالب علم خود صحیح پڑھے گا، اور اگر کہین غلطی کرے تو بتلایا نہ جائے بلکہ خود قاعدہ پر جواب طلب کیا جائے"،

اس مین شبہہ نہین کہ اگر قدیم طریق مین اتنی اصلاح کر لیجائے، تو وہ جدید کے بہت قریب آجاتا اور دونون کا نفع بڑی خوبی سے جمع ہو جاتا ہے، نحو و صرف کی قواعد دانی پر پورا فن کا جو امر ہے، اور جو نفع اس کا بتلاتے ہیں، وہ بھی قائم رہتا ہے، اور نیز ان کا نحو و صرف کے بے سمجھے خالی رٹانے اور وقت و ذہن کو خراب کرنے کا اعتراض بھی جاتا رہتا ہے، اور ہدایت النحو تک پہنچکر یقیناً عبارت خوانی کی کافی استعداد حاصل ہو جائے گی جو رائج الوقت طریقہ مین کافیہ، و شرح جامی تک پڑھ کر بھی حاصل نہین ہوتی،

آگے چل کر ہر فن کی تعلیم اسی طریقہ پر ہو، مثلاً بلاغت شروع ہو تو ہر قاعدہ کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور اشعار جاہلیت دے کر قواعد و بلاغت کو جاری کرایا جائے، اسی طرح فقہ مین ہر کتاب کے موافق چھوٹے چھوٹے مسئلے دئے جائین، کہ بحوالہ کتب ان کے جواب لکھین، وقس علی ھذا، اس مین گو پہلے مدت زیادہ لگے گی، لیکن چونکہ استعداد بڑھنے سے گی بڑھے گا، اور توجہ زیادہ ہو گی، تو آگے چل کر وقت بھی کم صرف ہو گا، اور ابتدا کی کسر انتہا مین نکل آئے گی"،

البتہ اس طریق اصلاح مین اصلی محنت و توجہ استاذ کو کرنا ہو گی، اور ہر مدرس پر اطمینان نہین کیا جا سکتا، اس لئے اس مین آسانی پیدا کرنے کے لئے بھی یہ تجویز فرمائی گئی ہے، کہ ایسی درسی کتابین شائع و مرتب کر دیجائین، جن کے حواشی پر مشقی مثالین سلیقہ اور حسن ترتیب کے ساتھ جمع ہون، اور جہان ہم چھوٹے بڑے کام کے لئے جو کچھ بھی ضروری ہو چندہ کر کے اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، تو یہ اس اعتبار سے سب سے ضروری کام ہے، کہ لائق و ذی استعداد علماء کے کم ہوتے ہوتے بالآخر علوم دین ہی کے گم ہو جانے کا اندیشہ ہے، جس پر سارے دین کا مدار ہے،

بلکہ اگر ایک دفعہ کچھ سرمایہ فراہم کر کے ایسی درسی کتابون کی اشاعت کا صرف آغاز کر دیا جائے تو بار بار کسی چندہ کی بھی ضرورت نہین ہو گی، انہی کی فروخت سے آگے کا کام انشاء اللہ ہمیشہ چلتا رہے گا،

نیز اس قسم کی اصلاحات سے وحشت و استنکاف کی بھی کوئی وجہ نہین، ایسی ایسی ترمیمات تو ہمیشہ ہوتی رہی ہین، سلف صالحین و محدثین کا یہ طرز تھا، کہ شیخ خود پڑھتے، اور تلامذہ سنتے تھے، اس وقت یہی نافع و کافی تھا، پھر علماء نے اس طرز کو بدل دیا، تلامذہ مین ایک پڑھتا، اور شیخ سنتے، اس کے بعد نمبر مقرر کیا گیا، کہ نمبر وار سب پڑھین، اس مین یہ شبہہ ہوا، کہ جس کا نمبر ہو گا، وہی مطالعہ دیکھے گا، باقی نہ دیکھین گے، اس لئے یہ کیا گیا، کہ جس کو استاد کہے وہ پڑھے، غرض حسب ضرورت طریق تدریس مین ترمیم و اصلاح ہمیشہ

سلف سے آج تک ہوتی رہی، تو اب اس سے خواہ مخواہ بھڑکنے کی کیا وجہ،

اصلاح اعمال واخلاق

یہ تو علمی و تدریسی اصلاحات کے متعلق تھا، عملی و اخلاقی اعتبار سے بھی بڑی بڑی خرابیان پیدا ہو گئی ہین جن کی اصلاح و تدارک کی طرف بہت خاص توجہ و اہتمام کی ضرورت ہے، ان مین دو باتون کا خصوصاً ذکر فرمایا گیا ہے،

ایک بے ریش لڑکون کا فتنہ ہے، اس لئے مدارس مین یہ انتظام ہونا ضروری ہے، کہ دس دس بیس بیس لڑکون پر ایک معمر نگران مقرر ہو، جو ان امور کی نگرانی رکھے، کہ کسی بڑے طالب علم سے نہ ملنے دے، نگران سے الگ ہو کر آپس مین باتین نہ کرین، اُن کے نام جو خطوط آئین، وہ بھی دیکھ کر دے، اُن کے سر منڈاتا رہے، پان نہ کھانے دے، لباس سادہ ہو، اگرچہ امرا کے بچون کا قیمتی ہو، نماز جماعت مین اُن کی حاضری کی فکر رکھے، تفریح یا کسی ضرورت سے بازار وغیرہ جائین، تو اُن کے ساتھ رہے، ان باتون کی خلاف ورزی پر مناسب سزا دے،

نئی روشنی کے اثرات

دوسری نہایت قابل افسوس چیز نئی روشنی یا تجددیت کے اثرات ہین، جو ہیضہ و طاعون کی طرح پھیل گئے ہین، جس سے بہت کم نفوس محفوظ ہین، عربی مدرسون کے طلبہ بھی ان اثرات کو قبول کر رہے ہین،

الحمد للہ کہ ابھی عقائد پر تو زیادہ اثر نہین پہنچا ہے، لیکن پہلی سی سادگی و بے تکلفی جاتی رہی ہے، وضع قطع سے مسٹر یا نیم مسٹر معلوم ہوتے ہین، نہ چہرہ پر تقوی کے انوار، نہ بات چیت مین تواضع کے آثار، کتابون مین جی نہین لگاتے، نہ مطالعہ سے کام، نہ تکرار سبق سے سروکار، مقرر بننے کی فکر، اخبارون اور پرچون مین مضمون نگاری کی دھن، تاویل یہ کہ ضرورت زمانہ سے مجبوری ہے، کہ تبلیغ کے لئے تحریر و تقریر نئے رنگ و مذاق کی ہو، اس کی ضرورت مسلم، لیکن اس کے اندر جو خفیہ مفاسد ہین، اُن پر اطلاع ضروری ہے، تجربہ یہ ہے کہ ایسی تحریر و تقریر بالعموم حُب جاہ

پیدا کرتی، اور اخلاص کے رنگ کو مٹاتی ہے، اور طالب علمانہ رنگ و سادگی، قلب سے دور ہو کر صرف عبارت آرائی اور دعوی ہی دعوی رہ جاتے ہین، اس لئے عام طلبہ کو عموماً ایسی تقریر و تحریر اور نئی روشنی والون کے ساتھ افادہ یا استفادہ کی نیت سے ملنے سے قطعاً روکا جائے، کچھ اپنا رنگ چڑھانے کے بجائے خود اُن کے رنگ مین رنگ جاتے ہین، البتہ تبلیغ احکام اور مخالفین کے مضامین کو تحریراً و تقریراً رد کرنے کے لئے ایسے ذہنی طلبہ کو منتخب کیا جائے جن کے ظاہر و باطن مین کچھ تو دین کی طرف خاص میلان موجود ہو، اور پھر ان کو حضرات اہل اللہ کی خدمت مین رکھا جائے، جس سے اُن کا اخلاص راسخ اور اُن کے اخلاق کی درستی ہو، یہ مطلب نہین کہ خواہ مخواہ عرفی صوفی ہو جائین، اور ضربین لگانے لگین، بلکہ اُن کی صحبت سے انشاء اللہ اخلاص کا کچھ حصہ ضرور مل جائے گا حسب استعداد جب کافی مدت تک اُن کی خدمت سے مستفید ہو لین تب اُن کو تحریری و تقریری تبلیغ کے منصب پر مقرر کیا جائے، اس وقت اُن کی تقریر و تحریر نئے پرانے کسی طرز کی بھی انشاء اللہ مفید ہی ہو گی، مضر نہ ہو گی، باقی جو لوگ بے اس کے آج کل کے مذاق کی تحریر و تقریر کے عادی ہو رہے ہین، وہ یاد رکھین، کہ خود کاتب و مقرر کی بڑائی کا کچھ اثر بے وقوفون پر ہو جاتا ہے، ورنہ اصلاح یا تبلیغ جو بتائی جاتی ہے، اس کا اثر برائے نام ہی ہوتا ہے"،

عام مدارس کے ساتھ کاش یہ چند سطرین خاص طور سے اکابر ندوہ کو اپنی جانب متوجہ کر سکین! راقم احقر کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اُن کی تحریک کے وقت اگر علماً و تجربۃً نہین تو کشفاً و الہاماً خصوصیت کے ساتھ ندوہ ہی پیش نظر تھا، بات یہ ہے کہ جب آب و ہوا مین کوئی سمیت سرایت کر گئی ہو، تو جس چیز سے بھی اس کی کچھ اعانت ہو گی، اسی کے اثر کو غائب کر دے گی، اس لئے اکثر عرض کیا گیا کہ ایک مرتبہ ہمت کر کے اس سمیت کے جراثیم کا پورا پورا استیصال کر دیا جائے، پھر انشاء اللہ تقریر و تحریر وغیرہ

کے ان مفاسد کی خود ہی اصلاح ہو جائے گی،

مختصر نصاب علوم دینیہ کے نصاب تعلیم و تدریس میں ایک اور بڑی اہم اصلاح و تجدید کی ضرورت یہ تھی، کہ اس کے لئے کوئی ایسا مختصر راستہ تجویز کیا جائے، جو بقدر ضرورت کافی بھی ہو اور اتنی مدت میں صرف ہو، کہ علوم معاش کی تحصیل کا عذر اس کی تحصیل سے لوگون کو مانع ہو، حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی تجدیدی جامعیت نے اس ضرورت کا بھی پورا احساس فرمایا، اور صرف کوئی نظری خاکہ نہیں پیش کیا، بلکہ تحفیمات عشر کے نام سے مروجہ نصاب کا دیگر ضروری اضافون مثلاً اخلاق و فلسفہ جدیدہ وغیرہ کے ساتھ ایسا عطر کھینچ دیا ہے، کہ اس بحث کی بھی گنجایش نہیں رہی، کہ کون سا علم و فن قدیم نصاب کا تقلیل مدت کی ضرورت سے سرے سے خارج کر دیا جائے، اور لوگون کو یہ وسوسہ و اعتراض باقی رہے کہ فلان چیز کے بالکلیہ نکل جانے سے فلان خاص خامی رہ جائے گی،

اس نصاب میں تمام چیزین تجوید سے لے کر صرف و نحو، معانی و بلاغت، منطق و فلسفہ، عقائد و کلام، مناظرہ دینیات، تفسیر و حدیث، اصول فقہ، اخلاق و تصوف سب ہی کا اتنا ضروری حصہ اور ایسا ملخص موجود ہے کہ ضروری ضروری مسائل سب کے آگئے ہیں، اور حضرت کی مقررہ ہدایات کے مطابق اُن کی تعلیم ہو تو انشاء اللہ ہر فن سے اتنی مناسبت حاصل ہو جائے گی، کہ پھر جس میں چاہے آگے تکمیل کر سکتا یا ذاتی مطالعہ سے استعداد بڑھا سکتا ہے، یہ پورا نصاب کم و بیش تین سال کی مدت میں پورا ہو جاتا ہے،

یہی نہیں کہ اس کی بدولت اس قلیل مدت میں سارے علوم دینیہ عربیہ سے فی الجملہ واقفیت و مناسبت پیدا ہو جا سکتی ہے، اور ساتھ ہی دینی تربیت کا بھی ان تین سالون میں اگر پورا اہتمام رکھا جائے، تو پھر علوم معاش یا دنیوی علوم میں مشغول ہونے سے بھی انشاء اللہ ایمان و عمل ایسا برباد نہ ہوگا، کہ اسلام کے نام کے سوا اسکا کام کرنے کو رہ جائے، بلکہ خود ان دنیوی و معاشی علوم کی فہم و قابلیت اور ان میں سرعت ترقی کے لئے ذہن میں ایک مضبوط و مستحکم بنیاد قائم ہو جائے گی، اس پر بھی امراء و غرباء اگر سب ہی معاش و معاد دونون کے جامع

منافع کے لئے اس کو لبیک کہین، تو ع

"تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل"

ذیل مین اس تجویز و تجدید کے مقصد و مطلب کو مختصراً خود حضرت مجدد کی زبان سے بھی سُن لینا چاہئے جو اس تحفیمات عشر کی تمہید سے ماخوذ ہے، سب سے پہلے اس پر تنبیہ فرمایا گیا ہے، کہ یہ نصاب کوئی ایسی جدت طرازی نہیں، جو قدامت پسند حضرات کے لئے موجب وحشت ہو،

"بلکہ نصاب قدیم کی دینیات مقصودہ یعنی تفسیر و حدیث و فقہ و کلام و فرائض کی ضروری کتابون کی تحصیل کو زوائد پر مقدم کر دیا گیا ہے، اور چونکہ یہ علوم بعض فنون آلیہ صرف و نحو و معقول و اصول پر موقوف ہیں، لہذا اُن سے پہلے یہ رکھدیے گئے ہیں، اس لئے یہ نصاب قدیم ہی کا ایک جزو ہے"،

اس کے بعد اس تجویز کا اصل مقصد ملاحظہ ہو، جس کی دو غرضین بیان فرمائی گئی ہیں،

اول جن لوگون کو تحصیل معاش کی ضرورت یا کسی اور وجہ سے مہلت کم ہے، اور ساتھ ہی علوم دینیہ میں فاضلانہ استعداد حاصل کرنے کی رغبت و شوق ہے، مگر متعارف درسیات کی تطویل دیکھکر ہمت پست ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ ترک محض ہوتا ہے، اُن کی تنگی رفع ہو جاوے گی، دوسرے جو لوگ تحصیل علوم دینیہ کے لئے فارغ بھی ہیں، اُن کو بھی اتفاقات زمانہ سے کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کا وقت نہیں ملتا، اور درمیان ہی سے چھوڑ دینا پڑتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ جس قدر وقت ملتا تھا، وہ علوم آلیہ میں صرف ہو گیا، اور اصل مقصود سے محروم ہی رہے، اس جدید نصاب یا طریق سے اس محرومی کا بھی تدارک ہو جاتا ہے،

لہذا اس مصلحت کے پیش نظر عام اور رائج الوقت طویل نصاب پر ہر حال مین اس مختصر نصاب کو مقدم رکھنا انسب ہے، اس کے پورا کرنے کے بعد

"اگر وقت مساعد ہو تو بقیہ درسیات کو پورا کر لیا جا سکتا ہے، نیز چونکہ اس شخص کی استعداد

مین ایک گونہ قوت زیادہ ہوگی، اس لئے بقیہ درسیات پر سرعت و بصیرت سے عبور کرسکے گا،
اور اگر وقت نہ ملا تو اصل مقصود تو حاصل ہی ہوچکا، اگر توجہ کرے گا، تو چونکہ مطالعہ کا ملکہ پیدا
ہوچکا ہے، کتب بینی سے اپنی استعداد و تبحر کو جہان تک چاہے ترقی دے سکتا ہے"،

ایسی صورت مین چاہئے تو یہ تھا کہ دیوبند، سہارنپور، نظامیہ، (فرنگی محل) ندوہ وغیرہ سب ہی
بڑی بڑی درسگاہین اپنے ہان بطور ایک شاخ، بلکہ بطور جڑ اور بنیاد کے اس کا التزام لازماً کرتین، تاکہ ایک
طرف طالبان دنیا پر طلب دین کی حجت قائم ہوتی، اور دوسری طرف خود ان درسگاہون کے فیض و افادہ
مین وسعت ہوتی، اور جو لوگ تین چار سال سے آگے کی ہمت و فراغت رکھکر پوری تکمیل کرنا چاہتے، ان
کے لئے یہ شاخ اسی طرح جڑ کا کام دیتی جس طرح دنیوی تعلیم کا میٹرکولیشن معمولی نوکریون وغیرہ سے "یا"
حوصلہ رکھنے والون کے لئے اعلیٰ تعلیم کی بنیاد کا بھی کام دیتا ہے،

بلکہ اگر اس طرز کے سہ سالہ مدارس مستقلاً جا بجا ملک مین کثرت سے قائم ہوسکین، اور دنیوی یا معاشی
مدارس مین جانے والے مسلمان بچے پہلے اس کی تکمیل کر لیا کرین، تو انشاء اللہ ایک ہی نسل مین اس بیک کرشمہ
دو کار کے دینی و دنیوی منافع کا مشاہدہ ہو جائے گا، ان سہ سالہ بنیادی مدرسون مین دینی تعلیم کے ساتھ
دینی تربیت کا اہتمام بھی لازم ہو، تو اُن کے طلبہ دین و دنیا جدھر بھی جائین گے، خدا سے اُمید ہے کہ
دین ہی آگے ہون گے،

کاش ہمارے پاکستانی علما، اور دین دوست حضرات حکومت پاکستان کو اس کی طرف متوجہ فرما سکتے
تو ایک ہی نسل مین پاکستان تمام دینی و دنیوی ناپاکیون سے پاک ہو کر واقعی پاکستان بن جاتا، ذہنی و
تعلیمی انقلاب کا بڑا دارو مدار تعلیم و تربیت ہی پر ہے، اگر مسلمانون کو مسلمان بنانے کا کوئی انقلاب پیدا کرنا ہو
تو اس کا راستہ پاکستان و ہندوستان بلکہ ساری دنیائے اسلام کے لئے اس کے سوا نہین کہ اُن کی تعلیم
و تربیت کی اساس اسلام ہو، یہ بنیاد اگر کج ہی، تو "تا ثریا می رود دیوار کج" کے نتیجہ کو کوئی سیاسی

انتظامی طاقت روک نہین سکتی،

لیکن اس محرومی کا کیا علاج کہ ساری دنیا کے مسلمانون کے سر پر مغربیت یا فرنگیت کا جادو ایسا
سوار ہے، کہ اسلام کا نام لے کر بھی اُن کی سمجھ مین کام غیر دین ہی کا آتا ہے، تجربہ یہ ہے کہ خود اہل دین اور
دینی مدارس کے اکابر تک کا دل و دماغ اس درجہ مسحور ہو رہا ہے، کہ دین کی سیدھی بات سمجھنا، اور سیدھی
راہ چلنا، ان پر شاق ہو رہا ہے،

بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمام حجت کی ایک صورت اور حضرت جامع المجددین کی زندہ
کرامت ہو، کہ حضرت ہی کے ایک مستعد جوان صالح خادم اور مجاز خدمت (مولانا ابرار الحق سلمہ اللہ تعالیٰ)
نے اللہ کا نام لے کر اس راہ مین قدم اٹھا دیا ہے، اور اپنے وطن ہردوئی کے ضلع کے ایک پرانے علمی قصبہ
بلگرام مین اشرف المدارس کے نام سے رہنمائی کا نشان کھڑا دیا ہے[1] جس کا اصل مقصود حضرت مجدد وقت
کی اس مذکورہ بالا مجددانہ تعلیمی تجویز کی تکمیل ہے، بڑی بات یہ ہے کہ تربیت کی طرف تعلیم سے کم نہین زیادہ
توجہ ہے، یہ سُنی سنائی نہین بلکہ ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر عرض کیا جا رہا ہے، اور خود اپنے بچون کی دینی
تعلیم و تربیت کے باب مین بڑی بڑی نامی جگہون سے ٹھوکرین کھا کر اور مایوس ہو کر بالآخر حضرت جامع
المجددین کی اس زندہ کرامت کے دامن مین پناہ ملی، ورنہ ایک بڑے خاندانی مشائخ زادہ اور خود دین دار
صاحب علم و فضل نے تو اس سلسلہ مین ایک مخدوم بزرگ کی مثال پیش کر کے یہان تک تحریر فرما دیا
تھا، کہ فلان صاحب دین و دولت بزرگ باوصف غایت دینداری، اپنی اولاد کو کالج ہی مین تعلیم
دلا رہے ہین، اور متوسط و غریب طبقہ کے لئے اس سے چارہ نہین، کہ موجودہ تعلیم کو اختیار کرے، یا اولاد
کو زا جاہل رکھ کر کارخانون کا مزدور بننے پر مجبور کرے، جہان بے علمی کے ساتھ بے اخلاقی و بداخلاقی
کا بھی شکار ہون، باقی ایمان اور اعمال صالحہ کے لئے دعا کرین"،

---

[1] یہ مدرسہ خاص ہردوئی میں قائم ہوا تھا لیکن اب چند سال سے بہ مصالح بلگرام مین منتقل کر دیا گیا ہے،

مگر یہ نادان اس فتوی پر کیسے عمل کرتا جب کہ اس کے مشاہدہ و تجربہ میں خود دنیا کے لئے بھی خالی دنیا کے علم سے نرا جہل بہتر، اور دین کے حق میں کمتر ضرر رساں ہے، کیونکہ اس جہل میں کچھ برا بھلا ایمان و اعتقاد تو سلامت رہ جاتا ہے، اور اس اعتبار سے کارخانہ کا مزدور بنجانا کونسل کے ممبر بننے سے بدرجہا بہتر ہے، خود حضرت مجدد کے افادات اس بارے میں آگے تعلیم انگریزی کی تحقیق میں آتے ہیں،

ہماری عام عربی و دینی تعلیم اور تعلیم گاہوں کی بڑی کمزوری غفلت یہی ہے، کہ تعلیم کے ساتھ تربیت و عمل کا بہت کم اہتمام والتزام فرمایا جاتا ہے، بلکہ گویا طالب علمانہ زندگی کو عملی زندگی کی آزادی کا پروانہ (لائسنس) خیال کیا جاتا ہے، یہ تصور بھی زندگی طالب علمی کی برکات میں ہے، اور اگر کوئی اس پر معترض ہو تو غلطی کو غلطی کے لئے حجت بنایا جاتا ہے، کہ "آپ بھی اپنی طالب علمی کو یاد کریں" حالانکہ موٹی بات ہے، کہ تربیت کی بنیاد کو پختہ کرنے کا زمانہ تو طالب علمی کے سن سے بھی پہلے شروع ہو جاتا ہے، تو عین علم دین کی تحصیل کے زمانہ میں عمل دین کی غفلت و مسامحت کیسے روا ہو سکتی ہے، خود حضرت علیہ الرحمۃ نے تو بے عمل طالبعلموں کو سند فراغ و تکمیل دیدینا موجب مواخذہ قرار دیا ہے تخفیضات عشر کی تمہید میں اس مختصر نصاب کی تحصیل کا جو دستور العمل تحریر فرمایا ہے، اس کا آخری نمبر (۱۰) بھی یہی ہے، کہ جو کچھ پڑھے اس پر پورا عمل کرتا رہے،

دینی نصاب و تعلیم کی مقدار و مدت میں اختصار و تقلیل کی اس مجددانہ تجویز کی جو اہمیت و حاجت حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کی نگاہ میں ہے، اس کا مزید اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ بعض چیزوں کو حذف فرما کر یا ان کا بدل تجویز فرما کر ارشاد ہے کہ

"اگر کوئی شخص کسی سبب اور زیادہ اختصار کا طالب ہو، تو ایسے شخص کے لئے یقیناً تین سال میں اور چھ ماہ گھٹ جاویں گے،

پھر آگے ارشاد ہے کہ

"اگر کوئی شخص صرف اپنی اصلاح و نجات آخرت کے لئے کتب دینیہ کو عربی زبان میں پڑھنا چاہے، تحقیق و تدقیق کی ضرورت نہ سمجھے، یا علوم عقلیہ سے دلچسپی نہ ہو اس کے لئے اس درس کا اور بھی اختصار ہو سکتا ہے، یعنی صرف و نحو کی کتب مندرجہ کے بعد قدوری کامل اور سراجی، اور متن معانی، اور تجوید اور تلخیص البدایہ اور متن عقائد نسفیہ، اور تفسیر یا مشکوٰۃ اور جلالین کافی ہے"،

لیکن نفس اپنی اصلاح و نجات آخرت کے لئے چونکہ عربی زبان میں پڑھنا بھی لازم نہیں، اس لئے مزید ارشاد ہے، کہ

"جو عربی زبان کی قید بھی ضروری نہ سمجھے، اس کے لئے صرف بہشتی زیور کے پانچ حصے اور مفتاح الجنۃ اور صفائی معاملات اور تعلیم الدین، اور فروع الایمان اور جزاء الاعمال اور اصلاح الرسوم، اور قیامت نامہ اردو شاہ رفیع الدین اور حقوق الاسلام اور سراج التائبین اور تواریخ حبیب اللہ اور تمام تہذیب کے سب حصے،

اور عورتوں کے لئے بلکہ کم فرصت مردوں کے لئے بھی بہشتی زیور کے سب حصے پڑھ لینا اور ضرورت کے وقت علماء سے رجوع کرتے رہنا کافی ہے"،

بہر نوع دینی تعلیم اختصار نصاب و تقلیل مدت کی یہ اصلاح و تجدید اتنی ضروری ہے، کہ حضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک سارے عربی مدارس، اور ان کے سارے طلبہ کے لئے اس کی تقدیم مناسب ہی تھی کہ اگر

"کسی وجہ سے سب کے لئے علی الاطلاق تقدیم نہ ہو، تو اقل درجہ حضرات علماء و اہل مدارس اسلامیہ دامت فیوضھم و برکاتہم اس قدر التزام کی تکلیف گوارا فرمائیں کہ جن کی حالت اپنی تحقیق یا ان کے استفسار سے اس تجویز کے مصالح مذکورہ بالا کی بنا پر تقدیم کی مقتضی پاویں

قرآن کے لئے ایک الگ جماعت قائم کر دین، تو اس سے اہل حاجت کی رعایت کا ثواب بھی ملے گا، اور امید ہے کہ مدارس مین طلبہ بالخصوص امیرزادون کی ترقی ہو جاوے، اور کوئی طالب علم باوجود کمی وقت کے محروم نہ رہے، اور جو اہلِ وسعت اساتذہ کو مکان پر بٹھلا کر اس طرز سے تعلیم دلانا چاہین، استاد کو یہ نقشہ دے کر اس کی پابندی کے لئے فرمائش کر دین"

کاش امرار اور اہلِ وسعت مین دین کی اتنی حس ہو کہ وہ اس رعایت کو رعایت سمجھین اور دنیا کی ترقی کے ساتھ اپنی اور اپنی اولاد کی آخرت کی فلاح و نجات سے اتنی بےفکری نہو کہ گویا مرنے کے بعد کچھ ہونا ہی نہین، ! اگر اس دنیا کی ۶۰، ۷۰ سال کی غیر یقینی زندگی کے لئے (اور اتنی غیر یقینی کہ یقین ایک سکنڈ کا بھی نہین) ہم اپنی اولاد کو ۲۵، ۳۰ سال تک مسلسل تعلیم مین جوتے رہتے ہین، تو کس منہ سے آخرت پر ایمان کا دعوی رکھتے ہین، جب کہ آخرت کی یقینی و ابدی زندگی کو سنوارنے والی تعلیم و تربیت کے لئے ڈھائی تین سال دینے سے بھی گریز کرین !!

مشورۂ معاش | ایک مخدوم بزرگ جو خود ماشاء اللہ عالم باعمل ہین، اور ایک معروف بزرگ و شیخ کی قائم کردہ خالص دینی درس گاہ کے ناظم ہین، اور اسی درسگاہ مین خود اپنے ایک بچے کو قرآن حفظ کرا رہے ہین، باوجود اس کے ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ

"یہ تو بتاؤ کہ آخر حافظ و عالم ہو کر کھائین گیا!"

اسی طرح ایک اور مخدوم و مخدوم زادہ بزرگ، جن کا ہندوستان کے ایک ایسے مشہور و مسلم خاندان سے قریب ترین تعلق ہے، جس کا فخر و امتیاز نسلاً بعد نسلٍ تک علوم دینیہ ہی کی طلب و خدمت رہا، اور جو ابھی ایک ہی پشت پہلے کے ایک ایسے صاحبِ تقوی و توکل مشہور و مسلّم شیخ وقت کے صاحب سجادہ ہین جن کے یہان فاقہ ہو جانا بھی کوئی غیر معمولی بات نہ ہوتی، ان مخدوم کے ایک صاحبزادے جب ایم اے ہو کر ملازمت اور اس کے لئے سعی و

سفارش مین سرگردان و پریشان تھے، تو ایک موقع پر احقر نے اپنے ان مخدوم کی خدمت مین عرض کیا کہ حضرت نے آخر اپنے خاندان کے دینی علم و توکل کو راستہ سے اولاد کو ہٹا کر اس دنیوی تعلیم و تذلیل کو کیون پسند فرمایا ! جواب یہی کہ دین اور علم دین کا پوچھنے والا اب کون ہے اور اس کو حاصل کر کے کھاتے کہان سے ! احقر نے عرض کیا، اس سے تو تجارت اور کاروبار کی کوئی راہ اپنانا واسلم ہوتی، اس کا جواب واقعی بڑا پُرمعنی اور پرلطف عطا فرمایا کہ

"میان تجارت بڑی محنت و مشقت، ہوشیاری و بیداری کا کام ہے، ہم تو بس ملازمت ہی کے کام کے رہ گئے ہین، کہ سوتے جاگتے بُری بھلی طرح تیس دن کے بعد کسی پر کچھ واجب ہو جائے"!

اس مین شک نہین کہ ملازمت کا یہ بہترین ترجمہ ہے، تمیں تو بوہرے وغیرہ نسلاً بعد نسلٍ کی تجارت پیشہ مسلمان جماعتون کا ذکر نہین ورنہ عام مسلمانون خصوصاً آخون زادون کو دیکھا کہ نوکری تو وہ بُری بھلی طرح نباہ کر اور تیس دن کے بعد کسی پر کچھ واجب کر کے وصول کر لیتے ہین لیکن تجارت مین اکثر ان کا دیوالہ ہی نکلتے دیکھا،

غرض جب خود ایسے ایسے خاندانی مشائخ اور دیندار علمائے دین تک اپنی اولاد کو تعلیم دین سے ڈر کر دور رکھتے ہین اکہ علم دین کو حاصل کر کے کھائین گے کہان سے تو پھر ماد شما یا امرار کا ذکر ہی کیا جو خاندانی دنیا دار اور دینی تعلیم و روایات سے یکسر محروم ہین !

ایسے دیندار اور دنیا دار دونون قسم کے مسلمانون کی خدمت مین عرض ہے اکہ "کھائین گے کہان سے" کا یہ خوف وہی خشیتِ املاق (خوف افلاس) ہے، جس کی بنا پر جاہلیت کے مشرکین اپنی اولاد کو قتل تک کر ڈالتے تھے، اتنا فرق ہے کہ وہ اس خوف سے اپنی اولاد کی چندروزہ دنیوی زندگی کا خاتمہ کر دیتے تھے، اور ہم ہمیشہ کی اُخروی زندگی کو برباد کر دیتے ہین ! آج بھی جاہلیت جدیدہ مین ضبط تولید کی وجہ

قتل اولاد کی خفی شکل ہے) بڑی دلیل یہی بیان کی جاتی ہے کہ آبادی بڑھتی جاتی ہے، اتنے آدمی آخر کھائین گے کہان سے!

اس کا حقیقی جواب نئے اور پرانے سب جاہلون کو قرآن نے جو دیا ہے، وہ ایسے مسلمانون کے لئے اور زیادہ حقیقی ہے، جو خوفِ افلاس کی بنا پر اپنی اولاد کو تعلیم دین سے محروم رکھ کر دنیا کی غیر یقینی زندگی کو بنانے سے زیادہ آخرت کی یقینی زندگی بگاڑتے ہین، جواب یہ ہے کہ تمھاری اولاد کو بھی وہی خدا رزق دے گا جس نے تم کو دے رکھا ہے" (نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ) اگر ہم کسی درجہ مین بھی مسلمان ہین، اور قرآن پر ہمارا کچھ بھی ایمان ہے، تو خوب یاد رکھنا چاہئے، کہ قرآن کے خدا نے انسان کو کھانے کمانے کی فکر مین فنا ہو کر مرنے کے لئے ہرگز نہین پیدا فرمایا، ہمارا "زیستن برائے خوردن" نہین، بلکہ "خوردن برائے زیستن" ہے، اور زندگی کا اصل مقصود عبدیت وبندگی کے فرائض کی ادائی ہے، صاف صاف دوٹوک ارشاد ہے کہ

مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ

(ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین)

مین نے جن وانس کو محض عبدیت وبندگی کے لئے پیدا کیا ہے، رزق کی فکر کے لئے نہین پیدا کیا، اور نہ اس لئے کہ مجھکو کھلائین، رازق تو سب کا خود اللہ ہی ہے، جو رزق رسانی کی پختہ قوت

باقی اپنی بندگی وعبدیت کو بھلا کر رزاقیت کی تدبیر وقوت کے مدعی انسان کی درماندگی کا تماشہ جو مسلسل ... سال سے دیکھا دکھلایا جا رہا ہے، تاریخ نے تو کب دیکھا ہوگا، لیکن آج ہر آنکھ والے کی آنکھ دیکھ رہی ہے کہ ایک طرف تو زیستن کا مطلب تمامتر "خوردن" قرار دے لیا گیا ہے، اور حکومت وسیاست سب کا اصل مطلب ومقصود پکار پکار کر فقط روٹی کپڑا بتایا جاتا ہے، دوسری طرف عالمگیر جنگ کے سلسلہ مین اور خصوصاً اس کے بعد ساری دنیا جس طرح عالمگیر قحط کے چنگل مین پھنسی ہے، اس کے ازالہ

کی ہر روز ہر حکومت کی جانب سے طرح طرح کی تدبیرون کا اعلان کیا جاتا ہے، فراہمی غذا کی مستقل وزارتین اور محکمے قائم ہین، ہر دن قومی و بین الاقوامی کانفرنسین منعقد ہوتی رہتی ہین، ساری حکومتون نے راتب بندی کر رکھی ہے یعنی ناپ تول کر دو وقت کا برا بھلا غلہ حوالہ کر دیا جاتا ہے جو اکثر صورتون مین انسان کی معمولی مقدار غذا کا نصف سے زیادہ نہین ہوتا ہے، اس پر بھی وقتاً فوقتاً تخفیف و تقلیل کی دھمکی اور اطلاع شائع ہوتی رہتی ہے، کہ بس ایک مہینہ یا دو مہینہ کا غلہ رہ گیا ہے، اور آیندہ فلان مہینہ بڑا نازک آنے والا ہے، امریکہ جو دنیا کا سب سے دولتمند وخوشحال ملک ہے ابھی (۲ اکتوبر ۴۶ء کے) پانیر مین وہان کے غذا و زراعت کے ڈائرکٹر جنرل کا بیان چھپا ہے، کہ

"اس موسم سرما مین ایسے شدید قحط سے دوچار ہونا ہے، جو دنیا مین کبھی نہ پڑا ہوگا، اور جس کا مقابلہ ہر طرح کی معاشی تدابیر اور قومی و بین الاقوامی اجتماعی جد وجہد ہی سے ممکن ہوگا"

انسان نے جس طرح اپنے خالق سے منہ موڑا ہے، اس کی سمجھ مین تو آنا اب مشکل ہے، لیکن راقم کو یہ روز افزون و عالمگیر قحط نہین، بلکہ عالمگیر قہر ہی نظر آ رہا ہے، اور قرآن مجید مین جابجا جو رزق ورزاقیت کا ذمہ بالکلیہ حق تعالیٰ نے خود لے کر؛ نہ صرف یہ کہ انسان کو عبدیت وبندگی کے لئے فارغ وبے فکر فرما دیا ہے، بلکہ غور کیجئے تو اس دنیا مین اس کی سب سے جامع الصفات صفت ربوبیت کا سب سے بڑا اور نمایان مظہر رزاقیت ہی ہے، اور انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر بالکلیہ اپنے کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا کر، نہ صرف اللہ تعالیٰ کی اس صفت خاصہ مین اپنے کو شریک وسہیم ٹھہرا رہا ہے، بلکہ دراصل خدا کی خدائی چھین کر خود خدا بن بیٹھا ہے، اس کے بعد اگر اسی کا قہر وعذاب اسی قبضِ رزق کی راہ سے ظاہر ہو، تو عین سنۃ اللہ ہے،

اپنا تجربہ تو اپنے اکثر عزیزون دوستون کے انفرادی واقعات تک مین یہی ہے اور جو بھی ذرا غور کرے گا اسکو تجربہ ہوگا، کہ معاش ورزق کا معاملہ کچھ من حیث لا یحتسب ہی ظاہر ہوتا ہے،

اور تدبیر کے تیر بالعموم اپنے نشانہ سے ہٹ کر ہی گرتے ہیں، بارہا دیکھا کہ انگریزی تعلیم میں بھی طالبعلمی میں جن کو بڑا ہونہار خیال کیا جاتا تھا، وہ کچھ نہ ہوئے، اور جن کو انہوں نہ سمجھا گیا، وہ ان ہونہاروں سے میدان معاش میں کہیں آگے نکل گئے، یہی تجارت وغیرہ ہر چیز میں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، کہ بارہا جس شخص اور جس چیز کی تجارت کے چلنے کے ظاہری اسباب زیادہ ہوتے ہیں، وہ رہ جاتی ہے، اور جس کے ظاہری امکانات کم ہوتے ہیں، وہ چل جاتی ہے، باقی یوں نکات بعد الوقوع تو ہر واقعہ میں نکال لئے جاسکتے ہیں (باقی)

حیاتِ شبلی

حصہ اول

مولانا سید سلیمان ندوی

یہ نو سو صفحوں کی ضخیم کتاب صرف اس عہد کے ایک شخص کی سوانح عمری ہی نہیں بلکہ درحقیقت مسلمانانِ ہند کے پچاس برس کے علمی، ادبی، سیاسی، تعلیمی، مذہبی اور قومی تحریکات و واقعات کی تاریخ بن گئی ہے، اس سلسلہ میں بہت سے ایسے اشخاص کے مختصر حالات اور سوانح بھی درج ہوئے ہیں، جن کو اس عہد کے سمجھنے کے لئے جاننا ضروری تھا، اور شروع میں ایک دیباچہ ہے، جس میں جدید علم کلام کی نوعیت، اس کی حیثیت اور اس سے متعلق مولانا شبلی مرحوم اور ان کے متقدمین، او معاصر علماء کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، اس کے بعد ایک مفصل مقدمہ ہے، جس میں دیار مشرق میں علوم اسلامیہ کی تعلیم و اشاعت کی تاریخ ہے، جو بڑی دیدہ ریزی سے یکجا ہوئی ہے، ضمناً ہر عہد کے مشہور اکابر علماء کے حالات بھی آگئے ہیں، اس کے علاوہ دار المصنفین ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اور شبلی ڈگری کالج کی عمارتوں کے ہاف ٹون بلاک بھی شامل ہیں،

کاغذ، کتابت و طباعت اعلیٰ، ضخامت ۹۲۰ صفحے،

قیمت غیر مجلد [illegible]، مجلد [illegible]، علاوہ محصولڈاک۔

"منیجر"

اردو زبان کا غیر اسلامی مذہبی اور اخلاقی ادب

از

جناب مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ،

(۲)

مذہبی کتابوں سے ہندو عورتوں کی تقریروں کا ترجمہ کرتے ہوئے بھی ہندو اہلِ قلم نے فارسی عربی کے ان الفاظ جو اردو میں قبولِ عام ہو چکے تھے، بے تکلف استعمال کئے ہیں، راماین کا وہ سین بہت مشہور ہے جس میں برج نراین چکبست نے رام چندر جی کا اپنی ماں سے رخصت ہونا دکھایا ہے، اس کے چند بند جن میں ماں کی گفتگو ہے، ملاحظہ ہوں،

رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جان — میں جانتی ہوں جس لئے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں — لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں

کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیج دوں
جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیج دوں

دنیا کا ہو گیا ہے یہ کیسا لہو سفید — اندھا کئے ہوئے ہے زر و مال کی امید
انجام کیا ہو کوئی نہیں جانتا یہ بھید — سوچے بشر تو جسم ہو لرزاں مثالِ بید

لکھی ہے کیا حیاتِ ابد ان کے واسطے
پھیلا رہے ہیں جال یہ کس دن کے واسطے

لیتی کسی فقیر کے گھر مین اگر جنم ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم
ڈستا نہ سانپ بن کے مجھو شوکت و حشم تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت کا غم

مین خوش ہون پھونک دے کوئی اس تخت تاج کو
تم ہی نہین تو آگ لگاؤن گی راج کو

کن کن ریاضتون سے گذاری ہین ماہ و سال دیکھی تمھاری شکل جب اے میرے نونہال
لائی دلھن بیاہ کے شادی ہوئی کمال آفت یہ آئی مجھ پہ ہوے جب سفید بال

چھٹتی ہون اُن سے جوگ لیا جن کے واسطے
کیا سب کیا تھا مین نے اسی دن کے واسطے

ایسے بھی نامراد بہت آئینگے نظر گھر جن کے بے چراغ رہے آہ عمر بھر
رہتا مرا بھی نخلِ تمنا جو بے ثمر یہ جائے صبر تھی کہ دعا مین نہین اثر

لیکن یہان تو بن کے مقدر بگڑ گیا
پھل پھول لا کے باغِ تمنا اجڑ گیا

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ منجدھار مین جو یون مری کشتی ہوئی تباہ
آئی نظر نہین کوئی امن و امان کی راہ اب یان سے کوچ ہو تو عدم مین ملے پناہ

تقصیر میری خالقِ عالم بحل کرے
آسان مجھ غریب کی مشکل اجل کرے"

رام چندر جی سے جنگل بن باس مین ساتھ چلنے کی اجازت حاصل کرکے سیتا جی اپنی خوشدامن رانی کوسلیا سے رخصت ہونے جاتی ہین، اور وہ اُن کو عزمِ سفر سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہین، اس منظر کو منشی شنکر دیال فرحت نے اپنے منظوم ترجمہ رامائن مین بڑی خوبی سے دکھایا ہے، (مطبوعہ نولکشور ۱۸۸۶ء)

یہان پیچ پیچ گیسوے سخن ہے جبین صفحہ پر شامت شکن ہے
ورق ہے صورتِ مسطر کشیدہ دوات آسا قلم ہے آبدیدہ
بیانِ رخصت و عزم سفر پہ حروف تازہ خاک افشان ہین سر پر
جناب جانکی نے جب سنا حال تو جوشِ گریہ سے آنکھین ہوئین لال
ہوئی آسایشِ خاطر فراموش اڑا اوجِ ہوا پر طایرِ ہوش
نہ تھا ضبط شکیبائی کا یارا ہوئی شوہر کی فرقت ناگوارا
حیا نے آکے دامن کو لیا تھام مگر جوشِ محبت نے کیا کام
خیال آیا کہ ہمراہی مین رہیے صبا بن کر ہوا خواہی مین رہیے
پئے پابوسیِ خوشدامنِ خاص ہوئین حاضر براہِ لطف و اخلاص
کہا مجھ کو بھی ارشادِ سفر ہو کہ تسکینِ دل و جان و جگر ہو
سُنی جس دم یہ خوشدامن نے گفتار کئے دامن کے پرزے جیب کے تار
کہا رو کر کہ اے سرمایۂ عیش نباہے نازکی پیرایۂ عیش
تمھین سے قالبِ خاکی مین ہے جان تمھین سے مشکلِ لاحل ہے آسان
تمھین ہو رونقِ کاشانۂ دل تمھین نورِ چراغِ خانۂ دل
مکانِ بادشاہی مین کرو چین رہو دل مین مثالِ مردمِ عین
متاعِ ننگ و ناموسِ شہنشاہ کرو غارت نہ بن مین جاکے ہمراہ
سفر مین اصل بیم و ضرر رہے حقیقت مین سفر شکلِ سقر ہے
کہان پائے حنائی رشکِ گلزار کہان نشتر صفت نوکِ سرِ خار
کہان یہ چہرۂ پر نور کا نور کہان وہ ظلمتِ شبہاے دیجور

رگ گل پائے نازک میں جو گڑ جائے جبین پر چین شکن ابرو پہ پڑ جائے

آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کی مشہور کتاب "رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا" یعنی رگ وید
کی تفسیر کا اردو ترجمہ منشی رام جگیا سوئنے کیا ہے، جس کی پہلی جلد ۱۹۰۸ء میں مطبع ست دھرم پرچارک
جالندھر سے شائع ہوئی تھی، اس کے بعض حصے سوال و جواب کے پیرایہ میں ہیں، ایک مقام کا اقتباس
حسب ذیل ہے، توسین کی عبارتیں خود مترجم کی ہیں :-

"وید کے ظاہر کرنے میں پرمیشور کی کیا غرض تھی،

سوال :- یہ فرمائیے کہ وید کے پیدا کرنے میں ایشور کی کیا غرض تھی،

جواب : ویدوں کے نہ پیدا کرنے میں اس کی (پرمیشور کی) کیا غرض (ہو سکتی تھی)، اگر تم
یہ کہو کہ اس کا جواب تم نہیں جان سکتے تو بالکل ٹھیک ہے اب ویدوں کے ظہور کی جو غرض
ہے وہ سنئے :-

سوال : ایشور میں کیا انت ودیا (لا محدود علم) ہے یا نہیں ؟

جواب : ہے،

سوال : اس کی وہ ودیا کس مطلب کے لئے ہے ؟

جواب : اپنے ہی مطلب کے لئے (جس سے کہ جہان کے پیدا کرنے اور قائم رکھنے کا
کام ہوتا ہے،)

سوال : اچھا یہ بتلایئے کہ آیا ایشور پراوپکار کرتا ہے یا نہیں،

جواب : (پراوپکار) کرتا ہے، پھر اس سے کیا مطلب،

(نتیجہ) اس سے یہ مطلب ہے کہ علم اپنی اور دوسروں کی مطلب برآری کے لئے ہوتا ہے،
کیونکہ علم کا یہی وصف ہے، اگر ہم لوگوں کے لئے پرمیشور ودیا (علم) کا اپدیش نہ کرے تو،

ودیا کے دونوں وصفوں میں سے ایک وصف (یعنی پر اوپکار) بے معنی ہو جائے گا، اس لئے
پرمیشور نے اپنی ودیا وید کے اپدیش سے یہ مطلب (یعنی پر اوپکار) سدھ کیا ہے، پرمیشور باپ
کی طرح ہم لوگوں پر بڑی عنایت رکھتا ہے جس طرح پر کہ باپ اپنی اولاد پر ہمیشہ مہربان
رہتا ہے، اسی طرح پر پرمیشور نے بھی بے غایت مہربانی سے سب انسانوں کے لئے وید کا
اپدیش کیا ہے، اگر پرمیشور ایسا نہ کرتا تو انسان دھرم، ارتھ، کام، اور موکش کے بغیر
پرم آنند (یعنی راحت حقیقی) سے کبھی محروم رہتا ......" (ص ۲۴، ۲۵)

پنڈت جنیشور پرشاد مائل دہلوی کی کتاب "حسن اول" کا ذکر اوپر آچکا ہے، موصوف جین مذہب
کے پیرو معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ یہ کتاب سنٹرل جین پبلشنگ ہاؤس، آرہ سے شائع ہوئی ہے، اس میں
جین، بودھ اور ہندو مذہب کے فلسفہ اور علم اخلاق کا نچوڑ ہے، اس کے پہلے باب کا ایک اقتباس ذیل
میں درج کیا جاتا ہے جو "وقت" کے زیر عنوان لکھا ہے، یہ عبارت اس شخص کے قلم کی ہے، جو مسلمان
نہیں ہے لیکن اردو کو اپنی "مادری زبان" کہتا ہے، اور "اس کی ترقی اور بہبودی کی کوشش کرنا ایک
سعادت مند اولاد کی طرح "اپنا فرض سمجھتا ہے" :-

"غرض اس تغیرات کے سمندر میں کیا جاندار کیا بیجان ایک صورت پر کسی کو بھی قرار نہیں ہے
شکل وضع اور حال و خیال ایک ایک لمحے ادلتے بدلتے رہتے ہیں، وقت ایک پرندہ ہے کہ
کہ برابر اڑا چلا جاتا ہے، اور اس سرعت سے اڑتا ہے کہ نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں، کان اس کے
پروں کی سرسراہٹ سن نہیں سکتے ہاں اس کی گردن میں ایک گھنٹی بندھی ہے، جس کی آواز
سے اپنی رفتار کا امتیاز اہل دنیا کو کراتا جاتا ہے، اور سامان دنیا کو نئے سے پرانا اور پرانے
سے نیا بناتا جاتا ہے، اس کے پنجوں میں ان گنت دھاگے الجھے ہوئے ہیں یہ جانداروں
کے رشتہ حیات ہیں، جو پرواز کے ساتھ کھنچے چلے جاتے ہیں، اس میں جس کی صدا جاتی ہے وہ

ٹوٹ جاتا ہے، اسی کو موت کہتے ہین جس پر کسی کو اختیار نہین ہے ؎

رو مین ہے رخشِ عمر کہان دیکھیے تھمے   نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب مین

یہ بھی ایک قسم کی تبدیلی ہے، اور لفظِ انتقال کے معنی نقل وحرکت کرنا ہے، حاصل کلام یہ کہ دنیا ایک پرشور سمندر ہے، جس مین ہوا کے زور سے کہین مینڈھا اچھل رہا ہے، کہین بھنور پڑ رہا ہے کہین پانی پہاڑون سے ٹکراتا ہے، اور کہین یک رُخا بہا چلا جاتا ہے، کسی جگہ فطرتی دلچسپیون نے منظر کو حد سے زیادہ دل آویز بنا دیا ہے، اور کسی جگہ ناگہانی حادثون نے وہ ڈراؤنا اور ہولناک سین دکھایا ہے، کہ جی دہلا جاتا ہے، دم بھر مین قطرے سے بھاپ، بھاپ سے بادل، بادل سے پانی، اور پانی سے دریا بن جاتا ہے، کھیتیان سیراب ہوتی ہین چمن شاداب ہوتے ہین، سبزے لہکتے ہین، پھول کھلتے ہین، جو نگاہون کو مسرور اور دلون کو تازہ کر دیتے ہین یہی نیچر کی دلچسپیان ہین، جو ایک آن واحد مین اپنے حُسن کے جلوے دکھا کر اسی عالم مین محو ہو جاتی ہین یعنی چشم زدن مین اُن کی ہیئت بدل جاتی ہے۔" (ص ۶-۷)

مذہبی اخلاق پر جو کتابین ہندوؤن نے لکھی ہین، اُن مین تو سنسکرت کے الفاظ بہت ہی کم ملتے ہین، اور بعض تو بالکل اردوے معلّی کی زبان مین لکھی گئی ہین، مثلاً "اخلاق برجباشی" جو رائے برجباشی لعل نے ۱۸۶۶ء مین لکھی تھی، اور مطبع رفاہ عام، سیالکوٹ مین چھپی تھی، اس کتاب کو مصنف نے یون شروع کیا ہے

"هوالغنی

شکر اور احسان ہے اس بادشاہ کا جس کا حکم کل زمین و آسمان اور جہان و جہانیان پر جاری ہے اور جس کی سلطنت کی حد و انتہا کا بیان زبان انسان اور قلم و زبان سے باہر ہے، آبادی بایں نمادی کہ تمام خلائق جن و ملائک اور انسان و حیوان کا شمار نہین، اور جانوران درند و گزند اور چرند و پرند کا حصار نہین، انتظام بایں خوبی و انصرام کہ بحر و بر اور کوہ و شجر سب اپنی

اپنی جگہ برقرار ہین، اور شمس و قمر اور کواکب و اختر سب زیروزبر روشنی کے آثار ہین، عدل و انصاف نہایت صاف کہ گوناگون صورت اور سیرت آدمیون کے دیدار اور کردار سے درجہ بدرجہ دکھلائی دیتی ہین، اور بوقلمون شکل و شمائل جانورون کی گفتار اور رفتار سو علٰحدہ علٰحدہ معلوم ہوتی ہین، قدرت بایں مدت کہ کوئی حاکم کوئی محکوم، کوئی خادم، کوئی مخدوم، کوئی ادنیٰ کوئی اعلیٰ ہے، اور بعض پاک بعض مذموم بعض فیاض بعض شوم بعض پست ہمت اور بعض بالاہمت" (ص ۱)

تیسرے باب مین والدین کی خدمت گذاری کا حق بیان کرتے ہین :-

چونکہ مان باپ کے فرائض تمام عمر اُن کی خدمت کرنے سے بھی ادا نہین ہو سکتے، لہذا اولاد پر فرض ہے، کہ مان باپ کی تمام عمر خدمت کیا کرے، اور یہی عمدہ عبادت سمجھا کرے، کیونکہ مان باپ کی خدمت جملہ عبادات سے افضل تر عبادت ہے، اور ان کی رضاجوئی سے سعادت اور خدمت گذاری سے جنت ہے، مناسب ہے کہ والدین کو اپنی خوش گفتار اور نیک کردار سے خوش کرو، اور مال و متاع وزر و نقد جو کچھ اُن کو ضرورت ہو، بے طلب موجود اور مہیا کرو، اور سچے دل سے خدمت مین مستعد رہو،....." (ص ۲۵)

"اخلاقِ ہندی" کے نام سے ایک مثنوی منشی کنھیالال ہندی تخلص نے لکھی تھی، جو سنہ ۱۸۷۳ء مین لاہور مین چھپی، اس کی زبان کی روانی و سلاست قابلِ داد ہے، شروع مین حمد کے اکتیس شعر ہین پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر حمد شروع کرتے ہین، نمونہ یہ ہے :-

بنامِ خداوند مالکِ جہان   خبرگیرِ احوالِ خرد و کلان

بنا نور سے جس کے شام و پگاہ   ہوا جلوہ گر جلوۂ مہر و ماہ

اُسی سے ہوا نیستی کا وجود   بنا بود سے اس کے ہستی کا بود

اُسی سے ہے ارض و سما کا ظہور   اسی سے ہے صبح و مسا کا ظہور

اکیلا ہے وہ وحدہٗ لاشریک   نہین دوسرا کوئی جس کا شریک

وہ خالق کہ ہے جس کی خلقت تمام   وہ حاکم کہ محکوم ہین خاص و عام

وہ ستار جو ساتر عیب ہے   وہ علّام جو عالم الغیب ہے

وہ فتاح مشکل کشائے جہان   وہ مشکل کشا حامی بندگان

یہ وحدت کہ ثانی نہین دوسرا   یہ کثرت کہ ہے سب مین جلوہ نما

مین کیونکر لکھون وصف ایزد تعال   مین مخلوق وہ خالق لایزال

مین محتاج وہ شاہ شاہنشہان   مین عاجز وہ پروردگار جہان

وہ خورشید پر نور اوج کمال   مین ہون زار و ناقص شبیہ ہلال

مین ہون بندۂ زار و کم اقتدار   سراپا خطا ہندی خاکسار   (ص ۳)

اس کے بعد رام چندر جی اور سری کرشن جی کی مدح ہے، پھر نعتیہ اشعار اس طرح لکھے ہین:۔

"در نعت سرور کائنات خلاصۂ موجودات جناب محمد علیہ السلام"

شفیع جہان رہبر خاص و عام   جناب محمد علیہ السلام

جناب محمد رسول امین   عیان جس سے ہے علم عین الیقین

جناب محمد رسول خدا   با طوار نیکو قبول خدا

محمد رحیم و محمد کریم   محمد علیم و محمد سلیم

نبی الوریٰ شاہ شاہنشہان   امین الہدیٰ رہبر گمرہان

ہوئی پست فرمان جس کی زمین   نگون ہے اطاعت مین چرخ برین

سراپا عرب جس کے فرمان گذار   عجم سربسر بندۂ جان نثار

.... (ص ۸)

تیرہوین باب مین تواضع کا بیان ہے:۔

تواضع کرے جو کوئی آدمی   ہے انسان مین انسان وہی آدمی

تواضع سے عزت بنے تکریم ہے   تواضع سے حرمت ہے تکریم ہے

تواضع سے ملک دل آباد ہو   تواضع سے اندوہگیں شاد ہو

تواضع سے بدخواہ ہو نیک خواہ   تواضع سے گمراہ ہو اہل راہ

تواضع سے ہو سرد نار غضب   فرو اس سے ہووے شرار غضب

تواضع سے حاصل ہے حق کی رضا   تواضع سے ہو دور رنج و بلا

.... (ص ۱۰۵)

سکھون نے بھی اپنی مذہبی کتابین جو اُردو مین ترجمہ یا تالیف کی ہین، اُن کی زبان بھی وہی ہے، جسے آج صرف مسلمانون کی زبان کہا جاتا ہے، سکھ مذہب کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب ہے، اس کا پورا ترجمہ تو اردو مین ابتک نہین ہوا ہے، (غالباً ضخامت کی دشواری سے) لیکن اس کے اہم حصون کے متعدد ترجمے شائع ہو چکے ہین، منجملہ اُن کے "سری جپ جی صاحب" ہے، مجھے لاہور مین گرنتھ صاحب کا ایک قدیم ترجمہ ملا جو گیان پریس، گوجرانوالہ کا مطبوعہ ہے، اور جس مین کتاب کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ بڑی تقطیع کے (۱۴۴) صفحات پر چھپا ہے، ممکن ہے اس سلسلہ کی دوسری جلدین بھی طبع ہوئی ہون، مگر وہ دستیاب نہین ہوئین، اس مین جپ جی کا جو گرو نانک کی تصنیف ہے، ترجمہ اس طرح کیا ہے:۔

"سری آدگرنتھ صاحب سری جپ جی صاحب

ایک اونکار ست نام کرتا رپورکھ

نربھو نربیر اکال مورت اجونی سے بھن

گور پرشاد

۱۔ واحد مطلق یا مظہر صفات ثلاثہ یا محض حق یا فاعل کل وہی ذات پاک ہے، جو خوف اور عداوت اور حدوث سے پاک اور جنم اور مرن یعنی تناسخ اور آواگون سے آزاد اور مظہر رحمت مرشدی ہے،

جپ۔ آدسچ جوگ آدسچ ہے بھی
سچ نانک ہوسی بھی سچ

مرد کہ ازل مین بھی حق تھا، اور عالم سفلی سے پہلے بھی حق تھا، اور اب بھی وہی حق ہے، اور اے نانک آیندہ بھی وہی حق ہوگا،

پوڑی اول

۱۔ سوچے سوچ نہ ہوئے جے سوچے لکھ بار

- - - - - - - - - - - - - -

۶۔ حکم رضا مین چلنا نانک لکھیا نال

(۱) خواہ کتنی ہی سوچ کرے تو بھی آپ نہین سوچ سکتا، جو سوچنے کا حق ہے، خواہ لاکھون بار سوچا کرے،

(۲) خواہ کیسی ہی خاموشی اختیار کرے تو بھی آپ چپ نہین ہوسکتا، خواہ کیسی ہی خاموشی کی حالت پیدا کرے،

(۳) اگر بھوکا ہو اور کوشش سے بے شمار اغذیہ و اطعمہ کو جمع کرے، تو بھی اپنی بھوک کو رفع نہیں کرسکتا، اور دوسرے معنی اس کے یہ بھی ہوسکتے ہین کہ کوئی اپنی احتیاج کو آپ سے رفع نہین کرسکتا گو بڑے بڑے سامان حاجت روائی کے جمع کرے،

(۴) ہزاروں دانائیان ہون اور لاکھون علوم کے ماہر ہون تو بھی کوئی دانائی کارگر نہین ہوسکتی، مراد یہ کہ کوئی حکمت قدرت کا مقابلہ نہین کرسکتی،

(۵) اگر کوئی پوچھے کہ عارف راست باز کیونکر ہون اور جہل کا ذہر کی قید کیونکر ٹوٹے،

(۶) تو اس کا جواب سری نانک جی دیتے ہین، کہ رضا و تسلیم کو اختیار کرے اور ملائم و غیر ملائم کو حکم الٰہی سے جانے،

بہ درد و صاف ترا حکم نیست دم درکش — کہ ہرچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است
رضا بدادہ بدہ وز جبین گرہ بکشا، — کہ بر من و تو در اختیار نہ کشادہ است (حل)

گرنتھ صاحب کے ایک اور مشہور حصہ سکھ منی صاحب کا ترجمہ[۱]،

"نہر روحانی" کے نام سے بھائی دیارام عاکف نے کیا ہے، جو "پنج گرنتھی" اور گرو نانک کی مشہور ضخیم سوانحعمری "جنم ساکھی بھائی بالا والی" کے بھی مترجم ہین، اس کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے،

"سلوک اول۔ ایک اونکار ست گور پرشاد

ایک ہی اونکار ہے جو مرشد حقیقی کی رہنمائی اور نظر عنایت سے حاصل ہوسکتا ہے، جو لاتعین سے تعینات مین آیا، اور نرگن سے سرگن ہوا، اور عقل کل اور ہرن گربھ پرجاپت وغیرہ نامون سے موسوم ہوا، وہ اونکار ہے، برہما، وشنو، شیو، ست، رج، تم، شہوت، غضب، تمیز، جسم کل، نفس کل، عقل کل، ناسوت، ملکوت، جبروت، جاگرت، سپن، سکھوپت، دوزخ، بہشت، اعراف، مرت لوک، مدہ لوک، سرگ لوک، غرض کہ جتنی اشکال گوناگون نمایان اور ظاہر ہین اور جو حواس خمسۂ ظاہری سے محسوس ہوتا اور روپ رس گندھ شبد سپرش مین آتا ہے، سب اونکار ہے، سب کا مبدا اونکار ہے، سب اونکار سے پیدا ہوکر اس مین رہتے، اور اس مین محو ہوجاتے ہین، اونکار اصل مین اُدم کار تھا، ادم کا لفظ سنسکرت سے متعلق ہے، گو بظاہر اس مین تین حرف ہین، الف واو میم لیکن

---

[۱] مطبوعہ گیان پریس گوجرانولہ، طباعت کا سنہ اس پر بھی درج نہین ہے، لیکن دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] مین کیا گیا تھا،

ایک نون غنہ بھی ہے، جو با ہمہ اور بے ہمہ ہے، اور اسکا نام سنسکرت میں اردو ماترا ہے، یہ نون غنہ وہی ہے جس کو نقطہ، مفروضہ اور جزو لایتجزی کہتے ہیں، اور اس کی کچھ مقدار نہیں، مگر سب مقداریں اسی سے پیدا ہوئی ہیں، جتنی مقداریں اور مفروضات ہیں، سب کو فنا لازم ہے، مگر وہ مفروض ذہنی جو صورت و شکل سے منزہ اور نام و ذات سے پاک ہے لازوال اور باقی ہے، جملہ اشکال محسوسات کو ادنکار یعنی ایزد لایزال سے وہ نسبت ہے جو ادم یعنی آکار اور کار مکار کو نون غنہ سے ہے، (ص ۱۹ - ۲۰)

مسیحی مشنریوں نے ہندوستان آکر اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جس زبان کو وسیلہ بنایا، وہ یہی مشترکہ زبان تھی، جس کو پہلے ہندوستانی اور اب اُردو کہتے ہیں، اُن کی اُردو مطبوعات کی کثرت سے اس زبان کے پڑھنے والوں کی کثرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، انڈیا آفس کی فہرست کتب اُردو میں جو ۱۹۰۰ء میں چھپی تھی، مسیحی مطبوعات کی تعداد (۷۰۶) ہے، اور پنجاب رلیجیس بک سوسائٹی لاہور کی فہرست میں جو ۱۹۴۶ء میں مرتب ہوئی ہے، سوسائٹی اور بعض دیگر مسیحی اداروں کی کتابوں کا شمار (۵۱۹) ہے، اس میں زیادہ تر خود سوسائٹی کی کتابیں ہیں، ہندوستان کی دوسری زبانوں میں عیسائیوں نے بہت تھوڑی کتابیں شائع کی ہیں، اس کا سبب یہی ہے کہ وہ اُردو کو ملک کے بڑے حصہ کی زبان سمجھتے تھے، اور اسی کے ذریعہ یہاں کے باشندوں کی اکثریت کو اپنا پیغام پہنچا سکتے تھے،

اس مقالہ کی ترتیب کے سلسلہ میں مجھے عیسائی مذہب کی سوا سو سے زیادہ کتابیں دیکھنے کا موقع ملا، زبان کے لحاظ سے یہ سب نہایت سلیس اور صاف عبارت میں لکھی گئی ہیں، ہندو، جین، اور سکھ مذہب کی کتابوں میں تو مذہبی مصطلحات کے لئے سنسکرت کے الفاظ اکثر ناگزیر طور پر استعمال کیے گئے ہیں، گو بعض مؤلفین اور مترجمین نے اُن کے ترجمے بھی عربی یا فارسی اصطلاحات میں ساتھ ساتھ دیدئے ہیں، لیکن عیسائیوں کی اردو کتابوں میں مذہبی مصطلحات کے لئے بھی عربی یا فارسی کے علاوہ مجھے کسی دوسری زبان کا لفظ نہیں ملا، معلوم نہیں گارساں دتاسی نے کس بنا پر لکھا ہے کہ مسیحی تصانیف میں انگریزی کے الفاظ کثرت سے استعمال کیے جاتے ہیں، وہ اپنے خطبوں میں

خطبہ میں لکھتا ہے :-

"اہلِ ہند نے اپنے ہاں انگریزی زبان کے بہت سے لفظ رائج کر لئے ہیں بعض اوقات تو اُن کی زبان میں لفظ موجود ہوتا ہے، جب بھی وہ ہم معنی انگریزی لفظ کو ترجیح دیتے ہیں،........ بہت سارے انگریزی الفاظ پیش کئے جا سکتے ہیں جنھیں اہلِ ہند خود اپنے لفظوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اور بہتر سمجھتے ہیں، چنانچہ مرزاپور کا اخبار "خیر خواہ ہند" اس قسم کی ہندوستانی میں ہوتا ہے جس میں انگریزی الفاظ کثرت سے کھپائے جاتے ہیں، مشنریوں کی بیشتر تصانیف جو مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت کے لئے شائع ہوتی ہیں، اسی طرز کی زبان میں ہوتی ہیں" [1]

اُردو میں عیسائی مذہب کی سب سے قدیم کتاب جو مجھے ملی، وہ "صلوٰۃ الجماعت" کی کتاب ہے، یہ چرچ مشن پریس، کلکتہ میں ۱۸۴۲ء میں چھپی تھی، قدیم نستعلیق ٹائپ میں ہے، جیسا کہ فورٹ ولیم کالج کی کتابوں کا ہوتا تھا، اس میں مختلف دنوں اور مختلف موقعوں اور وقتوں کی دعائیں تفصیل کے ساتھ درج ہیں، اس کے علاوہ کلیسا کے رسوم و دستور کی تفصیل بھی دی ہے، شروع کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:-

"نماز صبح کے احکام

برس کے ہر دن

"صبح کی نماز کے آغاز میں خادمِ دین بلند آواز سے کتاب کی ان آیتوں میں سے ایک یا کئی آیت پڑھے، تس پیچھے اُس عبارت کو جو اس کے بعد مندرج ہے،

جب بد آدمی اپنی بدی سے جو کہ اُس نے کی ہو، باز آوے اور اعمال فرض و مستحب کو بجا لاوے تب وہ اپنی جان جیتا بچائے گا، (حزقیال - ۱۸ - ۲۷)

میں اپنے گناہوں کا مقر ہوں، اور میرا گناہ ہمیشہ میرے سامنے ہے، (زبور ۵۱ - ۳)

میرے گناہ سے چشم پوشی کر اور میری ساری بدیوں کو محو کر، (آیت - ۹)

[1] خطبات گارساں دتاسی شائع کردہ انجمن ترقی اردو ص ۱۲، ۱۳، ۱۴۱

"خدا کی قربانیان آشفتہ حالی ہے، اے خدا تو دل شکستہ اور تائب کو حقیر نہ جانے گا،" (۱۷-آیت)

اپنے دل کو چاک کر اور نہ اپنے گریبان کو اور اپنے خداوند کی طرف متوجہ ہو، کیونکہ وہ رؤف اور حلیم اور رحیم ہے، اور رنج پہنچانے سے ملول ہوتا ہے، (یوئیل ۲-۱۳)

رحمتین اور آمرزشین ہمارے خداوند خدا ہی کی ہین، گو کہ ہم اُس سے باغی ہوئے ہین، اور نہ ہم نے اپنے خداوند خدا کے فرمان کو مانا، اور نہ ہم اُس کے شرائع پر جو کہ اُس نے ہمارے لئے دیا کئے ہین، چلے ہین، (دانیال ۹-۹-۱۰)

اے خداوند موءدب کر مجھے نہ ساتھ عدل کے اور نہ از راہ خشم کے مبادا تو ہمین معدوم کر ڈالے، (یرمیاہ ۱۰-۲۴)

توبہ کرو، کیونکہ آسمان کی سلطنت آن پہنچی، (متی ۳-۲)

مین اٹھ کر اپنے باپ کے پاس جاؤن گا، اور اُسے کہون گا، کہ اے باپ مین آسمان کا اور تیرا گنہگار ہون اور اب مین اس قابل نہین کہ تیرا بیٹا کہلاؤن" (لوقا ۱۵-۱۸-۱۹)

اے خداوند اپنے بندے سے محاسبہ ساتھ عدل کے نہ لے، کیونکہ تیرے حضور کوئی بشر بے گناہ نہین ہوسکتا، (زبور ۱۴۳)

اگر ہم کہین کہ ہم بے گناہ ہین، تو ہم اپنے تئین، فریب دیتے ہین، اور صداقت نہین رکھتے، لیکن اگر ہم اپنے گناہون کا اقرار کرین تو وہ اپنے صدق اور عدل سے ہمارے گناہون کو معاف کرے گا، اور ہر نوع کی ناراستی سے پاک کرے گا،" (۱-۸-۹)

اے پیارے بھائیو، کتاب کے کئی مقام سے ہمین نصیحت ہے کہ ہم اپنے بے شمار گناہون اور بدیون کا اعتراف اور اقرار کرین، اور ہم خدائے تعالیٰ کے حضور جو ہمارا آسمانی باپ ہے نہ دیا اور اخفا کے ساتھ درپیش نہ آئین، بلکہ عجز و انکسار اور توبہ اور اطاعت دلی سے مقر ہون تاکہ اس کی خوبی و رحمت غیر متناہی سے ہم عفو پائین، اور اگرچہ ہم پر لازم ہے، کہ ہر وقت

بعجز و انکسار ہم خدا کے حضور اپنے گناہون کا اقرار کرین، مگر خصوصاً اس وقت زیادہ تر لازم ہے، جب کہ ان بڑی نعمتون کی شکرگذاری کے لئے جو کہ ہم نے اس کے ہاتھون سے پائین، اور اُس کے لائق کی مدح کرنے کے لئے اور اس کے کلام اقدس کے سننے کے لئے، اور اُن چیزون کے مانگنے کے لئے جو کہ ہمارے جسم و روح کے لئے مطلوب اور ضرور ہین اہم باہم اکٹھے ہون پس مین تم سب کی جو یہان حاضر ہو منتی اور سماجت کرتا ہون کہ میرے ساتھ صدق دل اور عجز کی آواز سے آسمانی فضل کے تخت کے حضور مجھے پیچھے کہو،

اعتراف عام،

ساری جماعت جاثیاً خادم دین کے پیچھے پیچھے کہے،

"اے قادر مطلق اور رحیم باپ ہم مثل گم شدہ بھیڑ کے تیری راہ سے بہکے اور بھٹکے ہین، اور ہم نے دل کی ہوا و ہوس کی طرف بہت ہی متوجہ ہوئے ہین اور ہم تیری شرع مقدس کے مخالف ہوئے ہین اور ہم ان چیزون کو نہ بجا لائے جن کی ادا ہم پر فرض تھی اور ہم نے ان چیزون کو کیا جن کا ذکر کرنا ہمین مناسب تھا اور آب ہمارے پاس کچھ عافیت نہین ہے، مگر تو اے خداوند ہم سے شکستہ حال گنہگارون پر رحم کر، معاف رکھ، تو انہین اے خداوند جو اپنے گناہون کا اقرار کرتے ہین، اور پھر مقبول کر انہین جو کہ توبہ کرتے ہین، موافق اُس عہد و پیمان کے جو تو نے بوسیلہ ہمارے خداوند مسیح عیسیٰ کے انسان سے کیا ہے اور اے بڑے ہی رحیم باپ اس کے طفیل سے بخش کہ آئندے کو ہم پرہیزگاری اور نیکوکاری اور پاک دامنی کے ساتھ زندگی بسر کرین، تاکہ تیرے اسم اقدس کا جلال ظاہر ہو، آمین۔

گناہون کا عفو قسیس کھڑا ہو کر پڑھے اور جماعت جاثی رہے،" (ص-۱-۵)

انجیل اور توریت کے متعدد ترجمے دیکھنے مین آئے، ان مین سب سے قدیم ترجمہ جو میری نظر سے گذرا، وہ ۱۸۳۹ء کا ہے، اس کے سر ورق پر یہ عبارت درج ہے :-

"کتاب مقدس کا آخری حصہ یعنی خداوند یسوع مسیح کی انجیل جو متّی، مارک، لوک، اور یوحنا سے لکھی گئی تھی، اور رسولون کے اعمال اور نصیحت اور نبوت کے خطوط، یونانی زبان سے اردو زبان مین ترجمہ کیا گیا، کلکتہ، انگریزی، اور امریکے کی دینی مجلس کی مدد سے باپتسٹ مشن چھاپا خانے مین چھاپا گیا، سنہ ۱۸۳۹ء یسوعی"

یہ ترجمہ ٹائپ مین چھپا ہے، اور (۸۲۲) صفحات پر مشتمل ہے، عبارت کا نمونہ یہ ہے:-

"پھر وہ وہان سے اٹھ کر یردن کے پار یہودیہ کی سرحد مین آیا، اور جماعتین اُس پاس پھر جمع ہوئین، اور وہ اپنے طور پر پھر انھین نصیحت کرنے لگا، اور فریسیون نے اُس پاس آ کے امتحان کی راہ سے اس سے پوچھا کیا عورت کو مرد کا چھوڑ نا روا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ موسی نے تمھین کیا حکم دیا، وے بولے، کہ موسیٰ نے طلاق نامہ لکھ کے طلاق دینے کی اجازت دی، تب یسوع نے جواب دیا، کہ اُس نے تمھاری سخت دلی کے سبب سے تمھارے لئے وہ بات لکھی، لیکن خلقت کی ابتدا سے تو خدا نے انھیں ایک نر اور ایک مادہ بنایا، اس سبب سے آدمی اپنے ماں باپ کو چھوڑ کے اپنی جورو سے ملا رہے گا، اور وے دونون ایک تن ہون گے، سو وے اب دو تن نہین، ایک تن ہین، اس لئے جسے خدا نے جوڑا کیا ہے، آدمی جدا نہ کرے، گھر مین اس کے شاگردون نے اس کے حق مین پھر اُس سے پوچھا، اُس نے انھین کہا، جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑے، اور دوسری سے بیاہ کرے، تو اپنی جورو کے برخلاف زنا کرتا ہے، اور اگر جورو اپنے شوہر کو چھوڑ دے، اور دوسرے سے بیاہ کرے، تو وہ بھی زنا کرتی ہے"، (ص ۱۴۲)

اس کے بعد سنہ ۱۸۴۲ء کا بائبل پریس کلکتہ کا چھپا ہوا، "ہمارے خداوند یسوع مسیح کا نیا وثیقہ" ہے، یہ بھی ٹائپ مین ہے، اور چھوٹی تقطیع کے (۵۵۳) صفحات پر مشتمل ہے، پھر اسی پریس سے "کتاب القدس" کی پہلی جلد سنہ ۱۸۴۳ء مین اور دوسری سنہ ۱۸۴۴ء مین ایشیاٹک پریس کلکتہ سے شائع ہوئی، پہلی جلد مین جس کے صفحات کی تعداد

(۱۰۱۲) ہے، پیدایش سے آستر تک کا ترجمہ ہے، اور دوسری جلد مین جو (۷۴۴) صفحات کی ہے، ایوب سے ملاکی تک کا، سرورق پر لکھا ہے، "ترجمہ عبرانی زبان سے زبان ہندی مین"، مگر اس زبان ہندی کا نمونہ یہ ہے:-

"ابتدا مین خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، اور زمین ویران اور سنسان تھی، اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا، اور خدا کی روح پانی پر جنبش کرتی تھی، اور خدا نے کہا کہ اُجالا ہو اور اُجالا ہو گیا، اور خدا نے اُجالے کو دیکھا کہ اچھا ہے، اور خدا نے اُجالے کو اندھیرے سے جدا کیا، اور خدا نے اجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا، سو شام اور صبح پہلا دن ہوا، اور خدا نے کہا کہ فضا پانیون کے بیچ فاصل ہووے، اور پانیون کو پانیون سے جدا کرے، تب خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانیون کو فضا کے اوپر کے پانیون سے جدا کیا، اور ایسا ہی ہو گیا، اور خدا نے فضا کو آسمان کہا، سو شام اور صبح دوسرا دن ہوا، اور خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے پانی ایک جگہ جمع ہو دین، کہ خشکی نظر آوے، اور ایسا ہی ہو گیا، اور خدا نے خشکی کو زمین کہا، اور جمع ہوئے پانیون کو سمندر کہا، اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے، ...." (ص ۱)

انجیل کا ایک اور ترجمہ سنہ ۱۸۴۹ء مین باپتسٹ مشن پریس کلکتہ مین چھپا تھا، اُس کے سرنامہ پر اُردو اور انگریزی مین یہ عبارتین درج ہین:-

"کتابِ مقدس، یعنی خداوند یسوع مسیح کی انجیل جو متّھی، مارک، لوک اور یوحنا سے لکھی گئی تھی، اور رسولون کے اعمال اردو زبان مین"

"The Fur Gospels and The acts in Hindustani. Translated from The greek.

اس سے ظاہر ہے کہ مترجم اردو اور ہندوستانی کو ایک ہی زبان سمجھتا ہے، اب اس زبان کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

رسولون کے اعمال

پہلا باب

یسوع کا مریدون کو دکھائی دینا اور حکم دیکے آسمان پر جانا،

۱۔ اے تھیوفلس مین پہلی کتاب مین بیان کرچکا، ان سب کامون اور نصیحتون کو جو یسوع کرتا رہا:

۲۔ اس وقت تک کہ وہ روح قدس سے اپنے برگزیدہ رسولون کو حکم دیکے اوپر اٹھایا گیا:

۳۔ جن کے نزدیک اُس نے بعد اپنے مرنے کے اپنے تئین بہت سی دلیلون سے زندہ ثابت کیا کہ وہ چالیس دن تک انھین دکھائی دیکے خدا کی بادشاہت کی باتین کہتا رہا:

۴۔ اور انھین اکٹھا کرکے یہ حکم کیا، کہ یروشلم سے باہر نہ جاؤ، بلکہ جو وعدہ کہ باپ نے کیا جس کا ذکر تم مجھ سے سُن چکے ہو، اس کا انتظار کرو؛

۵۔ کہ یحیٰی نے تو پانی مین غوطہ دلایا، پر تم تھوڑے دنون کے بعد روح قدس مین غوطہ دلائے جاؤ گے،" (ص ۳۱۹)

اس کے بعد مرزا پور آرفن پریس کا چھپا ہوا "مقدس کتاب کا احوال" ہے، جسے ڈاکٹر بارتھ (Dr. Barth) کے جرمن نسخہ سے ریورنڈ ڈی ہونرلے (J. Hoernle) نے اردو مین ترجمہ کیا ہے، مجھے اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ملا جو ۱۸۵۹ء کا مطبوعہ ہے، پھر اسی پریس کا ۱۸۶۱ء کا چھپا ہوا ترجمہ مزامیر با شرح و تفسیر "تالیف پادری یوسف آون (Owen) ہے، ان دونون کی عبارت کا طرز بھی وہی ہے، جو مندرجہ بالا اقتباسات کا ہے،

عیسائیون کی مذہبی کتابون مین سے ان چند کتابون کے حوالے صرف اس وجہ سے دیئے گئے ہین، کہ یہ سب گارسان دتاسی کے اس خطبہ سے پہلے شائع ہو چکی تھین، جس مین اس نے یہ بیان کیا ہے کہ مشنریون کی بیشتر تصانیف مین جو مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت کے لئے شائع ہوتی ہین، انگریزی الفاظ

کثرت سے استعمال کئے جاتے ہین، یہ خطبہ ۵ دسمبر ۱۸۶۳ء کا ہے، ۲ دسمبر ۱۸۷۱ء کے خطبہ مین وہ خود انجیل کے ایک "دلپذیر" اردو ترجمہ کا ذکر ان الفاظ مین کرتا ہے،

"جیسا کہ مین اپنے پچھلے خطبہ مین کہہ چکا ہون کہ برطانیہ اور ممالک غیر کی انجمن انجیل نے انجیل کا جو دلپذیر ترجمہ گزشتہ سال شائع کیا، اُسے یقیناً اردو زبان کی چوٹی کی کتابون مین سمجھنا چاہئے، یہ ترجمہ اس لئے اور بھی عمدہ اور معتبر ہے، کہ ایک مشہور ہندوستانی فاضل نے اس کام مین ہاتھ بٹایا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس ہندوستانی فاضل کو اپنی زبان اردو کے علاوہ انجیل مقدس پر پورا عبور حاصل تھا۔"[1]

تعجب ہے کہ فاضل خطبہ نگار کی نظر سے انجیل کے مذکورۂ بالا ترجمے نہین گذرے، ان ترجمون مین مجھے انگریزی کا کوئی لفظ نہین ملا، چہ جائے کہ کثرت سے ان کا استعمال، ۱۸۷۱ء کے بعد کے بھی متعدد ترجمے انجیل اور توریت کے مین نے دیکھے، نیز انیسوین صدی کے رُبع آخر اور بیسوین صدی کے موجودہ زمانہ تک کی ایک بڑی تعداد مسیحی مذہبی کتابون کی جو اردو مین شائع ہوئی ہین، مطالعہ مین آئی، لیکن زبان سب کی شستہ اور فصیح ملی، اور انگریزی الفاظ کا استعمال بکثرت یا بقلت کہین نظر نہین آیا، ممکن ہے دتاسی کی مراد مشنریون کی "بیشتر تصانیف" سے "خیر خواہ ہند" کے قسم کے مذہبی اخبار اور رسالے رہے ہون، جو انگریزی آمیز اردو مین لکھتے تھے،

اردو کے مسیحی مترجمین اور مولفین مین وہ بھی ہین، جو اصلاً ہندو تھے، اور بعد کو عیسائی ہو گئے تھے لیکن اُن کی زبان بھی وہی ہے، جو ان پادریون کی کتابون مین ملتی ہے، جو مسلمان سے عیسائی ہوئے، مثلاً ہینا اسمتھ کی کتاب کا ترجمہ "مسیحی کی خوش وقت زندگی" کے عنوان سے بابو یونس سنگھ نے کیا تھا جو مشن پریس الہ آباد مین ۱۸۸۹ء مین چھپا تھا، اس کے سترہوین باب مین "مسیح کے ساتھ یکتائی حاصل

[1] خطبات گارسان دتاسی ص ۳۱۳،

"کرنے کا بیان" اس طرح لکھا ہے :-

"ایمانداروں کی روح کے ساتھ خدا کے جتنے سلوک ہیں، اُن کا یہی مطلب ہے کہ ان کو اپنے ساتھ ایک کرے، کہ ہمارے خداوند کی وہ دعا پوری ہو، کہ "وہ سب ایک ہوں جیسا کہ تو اے باپ مجھ میں ہے، اور میں تجھ میں ہوں، کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ایک ہوں"...... "میں اُن میں اور تو مجھ میں تاکہ وہ ایک میں کامل ہوں، اور تاکہ دنیا جانے کہ تو نے مجھے بھیجا ہے، اور انھیں پیار کیا ہے، جیسا کہ تو نے مجھے پیار کیا ہے"

خدا نے دنیا کے پہلے ہی یہ جلالی ارادہ کیا، کہ ایمانداروں کی روحوں کو اپنے ساتھ ایک کرے، یہ وہ بھید ہے کہ جو زمانہ دراز در پشت در پشت بنی آدم کی نظر سے چھپا ہوا تھا، اور مسیح کے مجسم ہونے کے باعث سے پورا ہو گیا، یہ کلام میں کھول دیا گیا ہے، اور اس کی سچائی کا یقین بہتیرے ایمانداروں نے اپنے تجربہ سے حاصل کیا ہے ......" (ص ۱،۳)

منشی کدارناتھ منت نے ایک مثنوی بعنوان "ستم ہامان یعنی فریب شیطان" لکھی ہے، جو داسکن پرنٹنگ پریس لاہور سے ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی ہے، اس کے ابتدائی اشعار حسب ذیل ہیں :-

بسم الاب والابن والروح

اگر طاقتِ آسمانی ملے	مجھے روح سے کامرانی ملے
تو لکھوں میں تمجید تثلیث پاک	نمایاں ہو توحید کا اشتراک
وہی ایک میں تین معبود ہے	وہی تین میں ایک مقصود ہے
ازل سے جو تھا ساتھ اس کے کلام	اُسی سے کیا خلق اُس نے تمام
بنے حکم سے اُس کے ارض و سما	مبارک خداوند سم کا خدا
ادا کب ہو حمد خدائے جہان	ہے تقدیس میں اس کی قاصر زبان

عجائب خدا کے غرائب ہیں کام	محبت سے معمور سب کا کلام
محبت سے آدم کو پیدا کیا	محبت سے سب کچھ ہویدا کیا
کیا بے گنہ خلق دل پاکیزہ راست	محبت کی مینڈول سے بیش و کاست
مگر بوالبشر نے اُسے کھو دیا	گناہ و ہلاکت کو سر پر لیا
تھا ذوالمنن پر اُس وقت غوغائے عدل	سزا چاہتا تھا تقاضائے عدل
محبت سے لیکن خدا نے وہیں	کی تدبیر ظاہر عجائب ترین
کہ عورت جو مصدر ہوئی موت کی	وہیں سے نمایاں ہوئی زندگی
ہوا نسل زن سے مسیحا نمود	کیا نیست اُوس نے گنہ کا وجود
ہوا بطن مریم سے وہ آشکار	کہ جس نے کیا کوفتہ فرق مار
سہی ابن حق نے صلیبی قضا	کیا قرض یوں عاصیوں کا ادا
اسی طرح وقتاً فوقتاً مدام	رہائی کے دکھلائے اعجوبہ کام
اُنھیں میں یہ اک قصہ دلپسند	مصیبت زدوں کو ہو تعلیم و پند
کہ کیونکر خداوند نے ناگہاں	بچائی تمام اپنے لوگوں کی جان
یہ ہامان و آستر کا مذکور ہے	طرب بخش دلہائے رنجور ہے (ص ۳۲)

مندرجۂ بالا تصریحات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ غیر اسلامی مذاہب اور اُن کے اخلاق کے مقبول عام ہونے میں اردو کو کتنا دخل رہا ہے، ہندوستان کے مختلف مذہبوں اور فرقوں کی مذہبی اور اخلاقی کتابوں کے اقتباسات بکثرت پیش کئے جا سکتے ہیں، لیکن چونکہ یہ مضمون محض ایک اجمالی خاکہ ہے اصل مقالہ کا اس لئے یہ مثالیں بھی کافی ہوں گی،

نوٹ: یہ مضمون جیسا کہ پہلے نمبر میں لکھا گیا تھا، ڈاکٹر ٹرٹ کے مقالہ کا ٹکڑا نہیں بلکہ اس کا خلاصہ ہے،

اشتراکی مابعد الطبیعاتی افکار

اسلام کی روشنی مین

از

جناب محمد مظہر الدین صاحب صدیقی بی اے

(۲)

یہان تک ہم نے مارکسیت کے بنیادی فلسفہ کی توضیح کی ہے، اب ہمین یہ دیکھنا ہے، کہ یہ فلسفہ واقعاتِ عالم کے لحاظ سے کہان تک صحیح ہے، اور اسلام کے بنیادی تصورات وعقائد سے کس حد تک مطابقت رکھتا ہے، اس نقطہ نظر سے جب ہم اسلام اور مارکسیت کا موازنہ کرتے ہین، تو ہمین ان نظامات کے درمیان مشابہت کے دو پہلو قوی نظر آتے ہین، اوّلاً جیسا کہ ہم نے اس مضمون کے آغاز مین بتایا ہے، مارکسیت صرف کائنات کے واقعات ومظاہر کی توجیہ وتغیر کا فلسفہ نہین ہے، بلکہ وہ اس کائنات مین جہان تک انسان سے اس کا تعلق ہے، تغیر اور تبدیلی پیدا کرنے کا ایک مخصوص طریقہ ہے، بعینہ یہی بات اسلام کے متعلق صحیح ہے، یعنی اسلام بھی محض ایک کائناتی نظریہ نہین ہے، جو واقعاتِ عالم کی توجیہ وتشریح پر اکتفا کرتا ہو، بلکہ وہ انسان کی حیاتِ انفرادی اور حیاتِ اجتماعی کی تعمیر وتاسیس کا ایک عملی پروگرام ہے، مذہب اور فلسفہ مین بنیادی فرق بھی یہ ہے، فلسفہ صرف کائنات کو سمجھنا چاہتا ہے، مذہب اسے بدلنا بھی چاہتا ہے، گو مارکسیون کو یہ بات کتنی ہی حیرت انگیز معلوم ہو مگر اس حقیقت سے انکار نہین کیا جا سکتا، کہ مذہب کا سارا دارومدار عمل پر ہے، اور عملی زندگی کو اگر اس کے دائرہ سے خارج کر دیا جائے، تو پھر اس کے اندر کوئی معنویت باقی

نہین رہتی ہے، یون تو ہر مذہب انسانی زندگی کو ایک مخصوص اخلاقی سانچہ مین ڈھالتا ہے، اور افرادِ انسانی سے مطالبہ کرتا ہے، کہ وہ اپنا اخلاقی رویہ تبدیل کرین، لیکن اسلام اس بارے مین دیگر ادیان ومذاہب پر نمایان فوقیت رکھتا ہے، کیونکہ اُس نے کردار وعمل کی اس تبدیلی کو جس کا مطالبہ ہر مذہب مین موجود ہے انسان کی عائلی اور معاشرتی زندگی کے محدود دائرہ سے وسیع کر کے ساری انسانی زندگی پر محیط کر دیا، نیز اس نے اخلاق اور نیک عملی کے اصولون، اور مذہبی اقدار وغایات کو انسان کی حیاتِ اجتماعی پر بھی پھیلا دیا، جس مین اس کی سیاسی اور معاشی زندگی بھی شامل ہے، اس کے مقابلہ مین دوسرے مذاہب نے نیکی اور حسنِ عمل کا صرف انفرادی اور معاشرتی تصور پیش کیا، اور اخلاقی اصولون کو زیادہ سے زیادہ سماجی اور عائلی زندگی تک وسعت حاصل کرنے کا موقع دیا، اس کے برعکس اسلام اپنے پیروؤن سے صرف خدا کی ذات وصفات کے اقرار کا مطالبہ نہین کرتا، بلکہ انھین عالمِ انسانیت کی اجتماعی فلاح وصلاح کا ذمہ دار بھی قرار دیتا ہے، اور اُن سے تقاضا کرتا ہے، کہ اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہیئتِ اجتماعی مین وہ بنیادی تبدیلیان عمل مین لائین، جن سے یہ ثابت ہو جائے، کہ وہ اپنے اقرار مین صادق ہین، جس حد تک انسان اپنی انفرادی عائلی اور اجتماعی زندگی مین یہ تبدیلیان پیدا کرنے سے قاصر رہتا ہے، اس حد تک اسکا ایمان ناقص ہوتا ہے، غرضکہ اسلام صرف ایک طرزِ فکر نہین ہے، جو انسان کی اجتماعی فلاح اور اس کے نظامِ اجتماعی کی صلاح وفساد سے بالکل بے تعلق ہو، بلکہ خصوصیت کے ساتھ وہ ایک طریقِ عمل ہے، جس کے مطابق انسان اپنے گرد وپیش اور اپنے اجتماعی ماحول کو بدلتا ہے، اس انقلاب وتبدیلی کی کوشش کو مذہبی اصطلاح مین جہاد سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جہاد اسلامی زندگی کا اصل اصول اور ایمان وعمل کا حقیقی جوہر ہے، اگر فریضۂ جہاد کو اسلامی زندگی سے خارج کر دیا جائے تو اسلام بھی کائنات کا ایک بے جان فلسفہ رہ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم ایمان والون کی ایک نرالی صفت یہ قرار دیتا ہے، کہ وہ راہِ خدا مین اپنے اموال اور اپنی جانون سے جہاد کرتے ہین:-

انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولٓئک ھم الصادقون،

مومن وہ ہین جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انھون نے اس بارے مین کوئی شک نہین کیا، اور اللہ کی راہ مین اپنے مال اور اپنی جانون سے جہاد کرتے رہے، وہی لوگ سچے ہین،

یا ایھا الذین آمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم، تومنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم،

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو، کیا مین تمکو ایک ایسی تجارت بتاؤن، جو تمھین سخت عذاب سے بچا سکے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اللہ کی راہ مین اپنے مال اور اپنی جانون سے جہاد کرو،

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ کانھم بنیان مرصوص

اللہ ان لوگون سے محبت کرتا ہے، جو اس کی راہ میں اس طرح لڑتے ہین جیسے کہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو،

اب ظاہر ہے کہ اگر اسلام حیاتِ اجتماعی مین بنیادی انقلاب و تبدیلی کا مطالبہ نہ کرتا اور محض انفرادی زندگی مین عمل صالح اور تزکیۂ اخلاق کو کافی خیال کرتا تو وہ مزاحمت اور کشمکش پیدا کیسے ہوتی، جس کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانون سے نفس و مال کی قربانی کا مطالبہ کیا گیا، محض انفرادی اور معاشرتی اصلاح کی کوشش سے وہ منظم مخالفت کبھی رونما ہوتی، جس کے لئے مسلمانون کو عسکری زندگی اختیار کرنی پڑی، غرضکہ مذہب کا اسلامی تصور اس راہبانہ طرزِ فکر کے بالکل مغائر ہے، جس مین محض عبادات و ریاضات اور کشف و مراقبہ سے انسان اپنی شخصی نجات حاصل کرنا چاہتا ہے، کیونکہ شخصی نجات کے حصول

کی فکر انسان کو کائنات خارجی مین تبدیلی کرنے کی جد و جہد سے بے نیاز کر دیتا ہے، حالانکہ اسلام انفس و آفاق دونون کو مرضی الٰہی کے مطابق بدلنا چاہتا ہے، کیونکہ ظاہر و باطن کائنات خارجی اور نفس انسانی دونون ایک ہی اصل کی شاخین ہین جنھین ایک دوسرے سے جدا نہین کیا جاسکتا، اور جب کبھی انھین ایک دوسرے سے الگ کرنے کی کوشش کیجاتی ہے، تو نتیجہ ہمیشہ مہلک ہوتا ہے، انسان کے اخلاقی امراض اس کے نفس اور خارجی ماحول کے تعامل سے پیدا ہوتے ہین، نہ کہ ان مین کے کسی ایک سے، اس لئے صرف ایک کو چھیڑنے اور دوسرے سے تغافل برتنے سے اسباب مرض کبھی دفع نہین ہو سکتے ہین، جب کبھی انسان عبادات و ریاضات مین مشغول ہو کر خارجی ماحول مین تبدیلی کی ضرورت سے بے خبر ہو جاتا ہے، تو اس کی سوسائٹی مین بداخلاقی اور بدعملی کی وبا پھوٹ پڑتی ہے، جس سے بالآخر وہ خود اپنا دامن محفوظ نہین رکھ سکتا ہے، خواہ راہبانہ اتقاء اور زاہدانہ پارسائی کے لحاظ سے وہ کتنا ہی بلند ہو، اسی طرح جب وہ بیرونی دنیا پر نظر جما کر محض خارجی ماحول کی تبدیلیون مین معاشرتی امراض کی دوا ڈھونڈتا ہے، اور اپنی باطنی اخلاقی زندگی سے غفلت برتتا ہے، تو بدی کی قوتین بالکل غیر محسوس طور پر اس کے نفس مین پرورش پاتی رہتی ہین، اور بالآخر اپنے پورے زور و طاقت کے ساتھ خارج پر حملہ آور ہوتی ہین یہان تک کہ اس کی معاشرت، اس کی سیاست اور اس کی معیشت کا گوشہ گوشہ اُن کے اثرات سے مغلوب ہو جاتا ہے،

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے صرف عبادات و ریاضات اور دعاؤن پر اکتفا نہین کیا، بلکہ اصلاح نفوس اور تزکیۂ قلوب کے ساتھ ساتھ حضور نے کل نظامِ زندگی مین انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی، اور جب کفار و مشرکین کی جانب سے اُن کی منظم مخالفت کی گئی، تو حضور نے وعظ و پند سے کام لینے کے ساتھ اپنی اجتماعی قوت سے بھی انکا مقابلہ کیا، اور اس طرح اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اسلام صرف ایک نظری عقیدہ یا فلسفہ نہین ہے، بلکہ وہ ایک عظیم الشان انقلابی قوت ہے، جو اگر ایک طرف باطن مین نفس انسانی کی شرارتون اور انسانی خواہشات کی بے قیدیون کا مقابلہ

کرتی ہے، تو دوسری طرف ظاہر ہین اپنے خارجی ماحول اور اپنے معاشرتی سیاسی ماحول اور عقلانی زندگی کے امراض و مفسدات سے آمادۂ پیکار رہتی ہے، مارکسیت اور اسلام مین مشابہت کا ایک پہلو اور بھی نظر آتا ہے، اگر مارکسیت کا یہ دعوی تسلیم کر لیا جائے، کہ وہ نتائجیت سے قریب تر ہے، تو اس لحاظ سے بھی یہ تحریک اسلامی انداز فکر سے مماثلت رکھتی ہے، کیونکہ اسلام نتائجیت کے اس نظریہ کو تسلیم کرتا ہے کہ افکار و تصورات کی صداقت کا ایک معیار یہ بھی ہے، کہ وہ عملی دنیا کے واقعات پر موثر اور انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے سودمند ہون، اینجلس کا یہ خیال ایک پہلو سے اسلامی نظریۂ زندگی سے قریب تر ہے، کہ اس مادی دنیا کے واقعات سے ہٹ کر انسانی فکر کی حقیقت رسی کی بحث محض لایعنی ہے، اسی وجہ سے اسلام ایسی نظریہ سازی اور فلسفہ آرائی کو پسند نہین کرتا ہے، جو عملی دنیا کے واقعات پر موثر نہ ہو، اور انسان کو عالم خیال مین الجھائے رکھے، جو اعمال و افکار انسان کی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کیلئے بے قیمت ہون، اسلام کی نظر مین وہ بالکل لاحاصل ہین، یہی وجہ ہے کہ وہ راہبانہ طریق زندگی اور طرز فکر کا مخالف ہے، اور غیر مسنون عبادات و ریاضات اور مراقبات اس کے مزاج کے منافی ہین، نیز وہ اپنے تمام عبادات و احکام کے نتائجی (Pragmatic) پہلو پر خاص زور دیتا ہے، نماز جو ہر مسلمان کے لئے فرض عبادت ہے، اس کے معاشرتی فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے،

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ — نماز انسان کو فحش اور بری باتون سے روکتی ہے،

شراب کی ممانعت کرتے ہوئے قرآن اس امر کو ظاہر کر دیتا ہے، کہ اس کی تحریم مین انسانون کا اجتماعی فائدہ بھی پیش نظر ہے،

اِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا — ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے،

اسی طرح قرآن کا یہ ایک عام اصول ہے، کہ وہ مسلمانون کو بیشتر اپنے احکام کی معاشرتی

اور اجتماعی مصالح سے آگاہ کر دیتا ہے، تاکہ ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اللہ کی شریعت کوئی ایسا حکم نہین دیتی جس سے بالواسطہ یا بلاواسطہ انسانی زندگی کو کوئی فائدہ نہ پہنچے، خود خدا اور آخرت کے دونون تصورات جن پر اسلام کا کل عملی اور فکری نظام قائم ہے، اپنے نتائج کے لحاظ سے انسانی زندگی کے لئے سودمند ہین، اگرچہ اس کے یہ معنی نہین ہین، کہ خدا اور آخرت کا اقرار محض اس لئے کیا جائے کہ ان کے اثرات سوسائٹی کے لئے سودمند ہین، بلکہ خدا کا حکم سمجھ کر ان پر ایمان لایا جائے، لیکن اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ خدا اور آخرت کے تصورات انسانی زندگی پر بھی بہت قوی اور فائدہ مند اثرات مترتب کرتے ہین اور جب کبھی تاریخ کے کسی دور مین انسان نے ان دونون تصورات کو ان کے صحیح مفہوم کے ساتھ مخلصانہ طور پر قبول کیا، اور ان کے مقتضیات کو پورا کرنے کی کوشش کی، اس کی زندگی مین ایک عظیم الشان انقلاب رونما ہو گیا، مارکسیت تاریخ کے ان شواہد کو نہین مٹا سکتی، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ درحقیقت یہی تصورات انسان کی عملی اور علمی ترقیون کا سبب ہین، اور اگر وہ اپنے اس اصول پر قائم رہے، کہ کسی تصور کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت اس کے عملی نتائج ہین، تو اسے تسلیم کرنا پڑے گا، کہ خدا اور آخرت کے تصورات غلط اور بے حقیقت نہین ہین، اگر اس کی تردید مین مارکس کے پیرو تاریخ کے ان ادوار کا حوالہ دیتے ہین، جن مین خدا اور آخرت کے تصورات نے انسان کو بے عمل اور گمراہ بنا دیا تھا تو اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ ہے، کہ ان تمام ادوار مین جن مین مذکورۂ بالا تصورات نے انسان کو باعمل بنانے کے بجائے اسے سست، اپاہج اور کمزور بنا دیا، ان تصورات کو یا تو صرف ایک نظریہ کی حیثیت سے مانا گیا، گویا کائنات کی ابتدا و انتہا، اور خلق آدم کا واقعہ محض ایک فلسفیانہ اور مابعد الطبیعاتی نظریہ اور ایک خانگی اور شخصی رائے ہے، جو انسان کی عملی و اجتماعی زندگی مین کسی تبدیلی اور انقلاب کا تقاضا نہین کرتی ہے، یا یہ کہ خدا اور آخرت کے تصورات کو انھون نے مسخ کر دیا تھا، اور ان کو ان کی اصلی صورت مین نہین، بلکہ بگڑی ہوئی شکل مین مانتے تھے، اس سے خود ان تصورات کی عملی حیثیت اور انقلاب آفرینی

پر کوئی اثر نہین پڑ سکتا، خدا کا یقین اس کا نام نہین ہے، کہ دنیا مین جو کچھ ہو رہا ہے، وہی اس کی مرضی ہے، اس لئے رائج الوقت تصورات اور نظامات کے خلاف آواز نہین اٹھانی چاہئے، بلکہ اس کا یقین ہم سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے، کہ ہم دنیا کی ان قوتون کے خلاف صف آرا ہو جائین جو کائنات کے مادی اور انسانی وسائل کو اس کے بنانے والے کی مرضی اور منشار کے خلاف استعمال کر رہی ہین، اسی طرح آخرت کا یہ تصور نہین ہے، کہ یہ دنیا بے حقیقت ہے، اس لئے یہان جیسے بھی گذرتی ہو، گذر جانے دو، بلکہ آخرت کا حقیقی نظریہ یہ ہے، کہ کائنات عالم کو خدا کے حکم کے مطابق چلانے مین مخالف قوتون کے خلاف جدوجہد کرنی پڑے، اور اس مین جو مصائب اور تکالیف اور آزمائشین پیش آئین، اُن کے سامنے سپر نہ ڈالی جائے، اُن کا صلہ و انعام دوسرے عالم مین ملے گا، جن کے مقابلہ مین یہ تمام تکالیف و مصائب و جانکاہیان اور مایوسیان کوئی وزن نہین رکھتی ہین، جس کو خدا نے ان انسانون کے لئے خاص کر دیا ہے، جو دنیا مین اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے منشار کو پورا کرنے کے لئے اپنی جان و مال کی بازی لگاتے ہین،

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَيۡءٍ مِنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوعِ وَنَقۡصٍ مِنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا اَصَابَتۡهُمۡ مُصِيۡبَةٌ قَالُوۡا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ ۔ (بقرہ ع ۱۹)

ہم تمھین خوف بھوک اور مال و دولت کے نقصانات مین مبتلا کر کے تمھاری آزمائش کرین گے، اس کے بعد اُن لوگون کے لئے خوشخبری ہے، جو صبر کرین، اور جب اُن پر کوئی مصیبت آئے، تو کہین کہ ہم اللہ کے لئے ہین، اور اسی کی طرف ہمین واپس

ظاہر ہے کہ قرآن نے ان آیات مین جس ابتلا و آزمائش کا ذکر کیا ہے، وہ اس جماعت کے لئے تھی، جو منشائے الٰہی کے مطابق کارگاہ عالم کو بدلنے کی سعی و کوشش مین نقصانات و خطرات برداشت

کر رہی تھی، قرآن نے یہ کبھی نہین کہا، کہ یہ دنیا بالکل بے حقیقت ہے، البتہ اس نے اس بات پر یقیناً زور دیا ہے کہ آخرت کے مقابلہ مین یہ دنیا ہیچ ہے،

بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ۔

تم لوگ دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہو حالانکہ آخرت زیادہ بہتر ہے، اور زیادہ باقی رہنے والی ہے،

یعنی جس طرح ایک اعلیٰ تر حقیقت کے سامنے ادنی حقیقت کوئی وقعت نہین رکھتی، اسی طرح آخرت کے مقابلہ مین بھی یہ دنیا بے قیمت ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہین ہین، کہ وہ مطلقاً بے حقیقت ہے کیونکہ انسان ادنی حقیقت ہی سے گذر کر اعلیٰ حقیقت تک پہنچ سکتا ہے، اسی طرح آخرت اگرچہ اس دنیا سے بلند و برتر اور زیادہ حقیقی ہے، مگر انسان اسی دنیا کی زندگی مین حصہ لے کر اپنی آخرت سنوار سکتا ہے، نہ کہ دنیا سے الگ اور بے تعلق ہو کر،

مارکسیت کا یہ دعویٰ کہ وہ انسانی افکار کو اُن کے عملی نتائج کے معیار پر پرکھتی ہے، اس لئے اس کا انداز فکر فلسفۂ نتائجیت سے قریب تر ہے، کچھ بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ مارکس اور اس کے تمام متبعین تاریخ کی مذہبی، سیاسی اور معاشی تحریکات کے حسن و قبح اور صداقت کا فیصلہ کرتے وقت اُن کی ابتدا اور آغاز کو خصوصیت کیساتھ پیش نظر رکھتے ہین، اور اُن کی صحت و عدم صحت کو ان حالات و اسباب پر منحصر قرار دیتے ہین، جن مین ایسی تحریکات رونما ہوتی ہین، حالانکہ یہ طرز فکر نتائجیت کے بالکل مغائر ہے، نتائجیت کسی شے کی ابتدا، اور اس کے اسباب پیدائش سے بحث نہین کرتی ہے، بلکہ یہ دیکھتی ہے کہ وہ شے عملی زندگی کے لئے کیا قدر و قیمت رکھتی ہے، اس کا مقصد اور مآل کار کیا ہے، اور وہ کن غایات کی طرف بڑھنا چاہتی ہے، یہ طرز فکر ماضی پر نہین مستقبل پر نظر کرتا ہے، اور مارکسیت کسی فکری یا عملی تحریک کے مستقبل کے بجائے اس کے ماضی سے بحث کرتی ہے، ان اسباب

کا تجزیہ کرتی ہے، جو اس کی آفرینش اور نشو و نما کا باعث ہوئے، اور پھر اس تجزیہ پر اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے، مثلاً مذہب کے متعلق مارکسیت کا انداز بحث یہ ہے کہ وہ فلان فلان اسباب و حالات سے پیدا ہوا، فلان فلان عوامل اس کی نشو و نما کا باعث ہوئے، اور اب چونکہ وہ اسباب و عوامل ناپید ہین، اس لئے وہ قابلِ ترک ہے وہ یہ دیکھنے کی کوشش نہین کرتی، کہ مذہب کا مقصد کیا ہے، وہ کن غایات کی طرف انسان کو لیجانا چاہتا ہے، اور عملی زندگی پر اس کے کیا اثرات مترتب ہوتے ہین، مارکسیت کہتی ہے کہ مذہب انسان کے جذبۂ خوف سے پیدا ہوا، اور انسان کے احساس بےبسی نے اس کو تقویت پہنچائی، اور اب چونکہ فطرت خارجی پر انسان نے ایک حد تک قابو حاصل کر لیا ہے اس لئے خوف و دہشت کا وہ سبب باقی نہین ہے، جس نے مذہب کو پیدا کیا تھا، اور نہ انسان اب قدرت کے سامنے اتنا عاجز اور بےبس ہے، کہ اسے مذہب کے سہارے کی ضرورت ہو، حالانکہ اصل سوال

ل اس نقطۂ نظر سے بھی مذہب ابھی بیکار نہین ہوا ہے، کیونکہ انسان اپنی تمام ترقیون کے بعد بھی عجز و بیچارگی کے احساس سے خالی نہین ہے، سائنس کے حیرت انگیز انکشافات و ایجادات کے باوجود انسان کو نہ تو اپنی تخلیق و پیدایش پر قدرت حاصل ہو سکی ہے اور نہ موت کے خوف سے آزاد ہوا ہے، اور نہ اپنے جذبات و شہوات پر قابو حاصل کرنے مین کامیابی ہو سکی ہے، بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ جیسے جیسے انسان تو اسے فطرت کی تسخیر مین کامیاب ہوتا جاتا ہے، اسی نسبت سے وہ اپنے شخصی اور قومی جذبات و خواہشات سے مغلوب ہو رہا ہے، جس سے اس امر کی مزید تصدیق ہوتی ہے، کہ انسان کائناتِ خارجی پر تو حکومت کر سکتا ہے، لیکن اپنے نفس و باطن کا فرمانروا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کے میلانات اور خواہشات اور اس کے جذبات و داعیات کی باگ ڈور کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ مین ہے، بقول شاپن ہار انسان جو چاہے کر سکتا ہے، مگر جو کچھ وہ چاہتا ہے، اس کے انتخاب و تعیین مین اس کی اپنی مرضی اور ارادہ کو کوئی دخل نہین ہے،

وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہ

نہین ہے کہ مذہب کس طرح اور کن اسباب سے پیدا ہوا، بلکہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہ چاہتا کیا ہے، حیاتِ انسانی کے لئے کیا عملی پروگرام رکھتا ہے، اور اس کے مقاصد صحیح ہین یا غلط، مارکسیت تحلیل و تجزیہ کے جس طریقہ سے مذہب کو باطل کرنا چاہتی ہے، وہی طریقہ اسے باطل قرار دینے کے لئے اختیار کیا جا سکتا ہے، مثلاً ہم کہہ سکتے ہین، کہ خود اشتمالی تحریک خوف کی پیداوار ہے، وہ معاشی بےاطمینانی کے خوف سے پیدا ہوئی، اور معاشی بےبسی کا احساس اس کی ترقی اور اشاعت مین معاون ہوا، لیکن یہ اصولِ فکر صحیح نہین ہے، مارکسیت یا مذہب کی صحت اور عدم صحت کا تعلق، اس کی ابتدا اور اسباب پیدایش سے نہین ہے، بلکہ دونون کی صداقت جس معیار پر جانچی جائے گی وہ یہ ہے کہ ان کا عملی پروگرام انسان کے لئے کہان تک مفید ہے، جن مقاصد کی یہ دونون دعوت دیتے ہین، وہ انسان کو بحیثیت انسان کے کہان تک مطلوب ہین، اور ان مقاصد کی تکمیل کے لئے جو ذرائع استعمال کرتے ہین، آیا وہ ذرائع مناسب ہین یا نہین، صداقت کی جستجو کا تحلیلی طریقہ (Analytical method) علوم طبعی کے دائرہ مین کیسا ہی مفید ثابت ہوا ہو، لیکن تمدنی اور معاشرتی علوم مین جہان انسان کی فطرت اور اس کے اقدار زندگی پر بحث ہوتی ہے، یہ طریقہ بالکل مہمل نتائج پر منتہی ہوتا ہے مثلاً کسی عمارت کو اگر اس لئے بیکار اور بےفائدہ ٹھہرایا جائے، کہ وہ چونے گارے اینٹون اور پتھرون سے بنی ہے، تو یہ بات بالکل خلاف عقل ہو گی، کیونکہ عمارت کی قدر و قیمت کا مدار اس کے ترکیبی عناصر پر نہین ہے، جن سے وہ وجود مین آتی ہے، وہ چونے گارے مٹی اور پتھر سے ضرور بنی ہے، لیکن باعتبار قدر و قیمت اور فوائد، مراتب وجود مین وہ ان اشیا سے اعلیٰ اور بہتر ہے، اسی طرح اگر کارل مارکس اور اینجلس کے بارہ مین رائے قائم کرنے کے لئے اس کی پیدایش اور ابتدائی زندگی کے حالات سے بحث کی جائے، اور اس کے فلسفیانہ افکار کو محض اس لئے

باطل قرار دیا جائے کہ وہ دونوں ایک حقیر قطرۂ خون سے پیدا ہوئے، یا اُن کے دماغی اور جسمانی اعضا اسی گوشت پوست کے بنے ہوئے تھے، جس سے ایک دہقانی کا جسم و دماغ ترکیب پاتا ہے، تو کیا یہ اندازِ فکر صحیح ہوگا ظاہر ہے کہ اُن کے اسباب پیدائش اور اعضاے جسمانی و دماغی کی ترکیب سے اُن کی فلسفیانہ صداقت یا عدم صداقت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے، کسی شے کی حقیقت اس کے آغازِ پیدائش کے حالات اور اُس کے عناصرِ ترکیبی سے ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ اس کے مزاج و میلان اُس کی تعمیری ہیئت اور اس کے قابلِ حصول امکانات مین پوشیدہ ہوتی ہے، لیکن مادیت کے اور تمام اقسام کی طرح مارکسیت ماضی کی پرستار اور تحلیلی طریقہ کی پابند ہے، جہان تک مارکسیت کے فلسفۂ اضداد کا تعلق ہے، جو ہیگل کے فلسفہ سے ماخوذ ہے، اس کی نسبت اطالوی فلسفی کروس (Croce) کی حسب ذیل راے نہایت معقول معلوم ہوتی ہے،

"ہیگل کی ایک بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے اشیاء اور تصورات کے باہمی فرق کو اُن کی ضد سے تعبیر کیا، حالانکہ جو اشیاء اور تصورات باہم مختلف ہون، وہ لازمًا ایک دوسرے کے ضد نہین ہوتے، کون کہہ سکتا ہو کہ مذہب آرٹ کی ضد ہے، یا فلسفہ مین مذہب اور آرٹ کا اجتماع اضداد ہوگیا ہے، یا یہ کہ قوتِ نظری، قوتِ عملی کی عقل، وجدان کی اور تمدنی زندگی، خانگی زندگی کی نفی ہین، اسی طرح جس طرح وجود و عدم کی نفی ہے، واقعہ یہ ہے کہ جن تصورات کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیا جاتا ہے، وہ اکثر ایک ہی اصل کے فروع ہوتے ہین، اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہین، نہ کہ نفی، مارکس نے ہیگل کے فلسفۂ اضداد کو جون کا تون لے لیا، البتہ اوس نے کائنات فطرت اور انسانی تاریخ سے ہیگل کی روحانیت کو خارج

کرکے ان کا خد و خال جدلیاتی مادیت سے تیار کیا، وہ مادہ کو کائنات کی بنیادی حقیقت قرار دیتا ہے، لیکن مادہ کا جو تصور پیش کرتا ہے، وہ بنیادی طور پر ہیگل کے اس تصور کا چربہ ہے، جو اوس نے روح عالم کی بابت قائم کیا تھا، اور کم و بیش انھی صفات سے آراستہ ہے، یعنی جس طرح ہیگل کے فلسفہ مین، روحِ عالم اپنی ذات سے متحرک ہے اور ایک مخصوص منطقی ترتیب کے ساتھ درجہ بدرجہ ایک متعین اور پہلے سے بنے بنائے مقصد کی جانب سفرِ ارتقا طے کرتی ہے، اسی طرح مارکس کے نظریہ کی رو سے مادہ بھی اپنی ذات سے متحرک ہے، اور اپنی باطنی فطرت کے لحاظ سے ایک منطقی نظم و ترتیب کا پابند ہے، جس کے مطابق وہ ایک مخصوص اور پہلے سے متعین کردہ مقصد کی جانب حرکت کر رہا ہے، اس مین شک نہین کہ ہیگل کا مقصد روحانی ہے، اور مارکس نے جس مقصد کا تعین کیا، وہ مادی ہے، لیکن کائنات کی فطرت اور اس کے قوانین حرکت کے متعلق دونون کے نظریات مین کوئی فرق نہین ہے،" (باقی)

استفسار و جواب

شرح شمائل ترمذی کا ایک قلمی نسخہ

جناب عبد الشکور صاحب
پور بندر کاٹھیاواڑ

مکرمی السلام علیکم

گذشتہ دنوں معارف میں کتب خانہ ٹونک کے قلمی مخطوطات کے سلسلہ میں اسفرائینی اور ہیثمی کی شرح شمائل ترمذی کا تذکرہ دیکھا، خاکسار کے پاس شرح شمائل کا ایک قلمی نسخہ ہے، مجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ نسخہ کبھی طبع ہوا ہے یا نہیں، نہ ہی اس کے اول و آخر سے تصنیف کا پتہ چلتا ہے، کتاب کے خاتمہ کی عبارت میں جو نام درج ہے، وہ کاتب کا ہے یا شارح کا، میں تو کم از کم اپنی نااہلی کے باعث اسکو متعین کرنے سے قاصر ہوں، کتاب کی ابتدائی تمہید سے اندازہ ہوتا ہے، کہ مصنف نے اسفرائینی اور ہیثمی کی شرحوں پر تعلیق کے طور پر یہ کتاب لکھی ہے، ابتدائی کتاب حسب ذیل ہے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم (کرم خوردہ ہے) علی سیدنا محمد و آلہ الخ وکان ممن تصدی لشرحہ افضل المدققین اوحد المحققین مولانا عصام الدین الاسفرائینی الشافعی الخ وتلاہ العالم النحریر الفقیہ الشہاب بن حجر الہیثمی نزیل مکۃ الخ فسألنی بعض الافاضل ان املی تعلیقا عن (؟) التطویل والاخلال مراعیا للانصاف متجنبا للاعتساف فاجبتہ لذالک مع الاعتراف للقصور عن الخوض فی ہذہ المسالک ولخصت ما فی ہذین الشرحین ضاما الیہما من فوائد ما شرح الصدر وتقربہ العین

اس کے بعد شرح شروع ہوتی ہے، خاتمہ کتاب کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

تم شرح الشمائل علی ید العبد الفقیر محمد مومن ابن محمد ابن (آگے کرم خوردہ ہے) بمکۃ المشرفۃ یوم السبت، سابع یوم من شہر شعبان المبارک سنہ واحد وثمانین والف ۱۰۸۱ھ

اگر ممکن ہو تو جناب مکرم اس کتاب پر اپنے معزز ماہنامہ میں مزید معلومات بہم پہنچائیں، تو بڑی عنایت ہوگی،

اگر کسی صاحب ذوق کو اس کتاب کو اپنے کتب خانہ کے لئے ضرورت ہو تو مناسب قیمت پر میں فروخت کرسکوں گا، والسلام

معارف :- آپکے پاس شرح شمائل کا جو قلمی نسخہ ہے، وہ حافظ زین الدین المعروف بہ عبدالرؤف ابن تاج العارفین مناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ کی شرح ہے، یہ شرح جیسا کہ اس کے مقدمہ میں تصریح ہے، مولانا عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائینی المتوفی ۹۴۳ھ اور حافظ ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۳ھ کی شرحوں[1] کا خلاصہ ہے، اور کچھ مزید تعلیقات اور اضافے بھی ہیں، محمد مومن اس کے شارح نہیں بلکہ کاتب ہیں، آپنے اپنے نسخہ کے شروع کی جو عبارت نقل کی ہے، وہی مناوی کی شرح کے مقدمہ کی عبارت ہے، آپنے اس کو پورا نقل نہیں کیا ہے، بلکہ بعض فقرے الخ لکھ کر چھوڑ دیئے ہیں، ورنہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، مناوی کے مقدمہ کی پوری عبارت یہ ہے،[2]

---

[1] مولانا عصام الدین کی شرح کے قلمی نسخے کتب خانہ خدیویہ مصر اور پٹنہ لائبریری میں ہیں، ملاحظہ ہو فہرست کتب خانہ خدیویہ ج اول ص ۲۲، و مفتاح کنوز الخفیہ ج اول ص ۲۷۱، اور ابن حجر مکی کی شرح اشرف الوسائل فی شرح الشمائل کے نسخے مصر اور رامپور کے کتب خانوں میں ہیں، فہرست کتب خانہ خدیویہ جلد ۱ ص ۲۵۹ و فہرست کتب عربی کتب خانہ رامپور ص ۲۵ ۵۰۲ کشف الظنون ج ۲ ص ۶۰،

"انّ ممن تصدی لشرحها وحل الدقائق مولانا عصام الدین الاسفرائینی

فاتی ابما لم یسبق الیہ من کشف النقاب عن اسرارها، لکنہ من الاحتمالات

العقلیۃ فی ھذا الفن الذی ھو من الفنون النقلیۃ، مع ما ھو علیہ من

الاتہام حتی علی ذالک من سقطات الاوھام وتلاہ عالم الحرمین

الفقیہ الشہیر الشہاب بن حجر ھیثمی نزیل مکۃ المکرمۃ فاطال واطاب

لکن بعد الانتہاب من ذالک الکتاب واذا لم یرد رونق المتن باقتصاره

علی ما زعم انہ المھم من الفاظ الباب مع ما ھو علیہ من التشفف بالرد

والتعصب مما لیس بکبیر امرٍ تارۃ اخری فسالنی بعض الافاضل ان املی

علیھا تعلیقاً مختصراً منصفاً فاجبتہ ولخصت ما فی ھذین الشرحین ضاماً

الیھا من الفوائد ما لابد منہ" الخ

ان دونوں کے موازنہ سے ظاہر ہے کہ دونوں ایک ہی کتاب کے مقدمہ کی عبارتیں ہیں، خط کشیدہ عبارتیں وہ ہیں جن کو آپ نے الخ لکھ کر چھوڑ دیا ہے، کشف الظنون کی عبارت میں بعض الفاظ اور فقرے مختلف ہیں لیکن اس قسم کے خفیف اختلافات قلمی نسخوں میں اکثر ہوا کرتے ہیں، اور آپ نے بعض الفاظ غلط نقل بھی کر دیئے ہیں۔

خواجہ اسحاق آفندی المتوفی سنہ ۱۱۲۰ھ نے اس شرح کا ترکی میں ترجمہ کیا تھا، اور مصطفی بن حسن المعروف بہ منظوم زادہ نے اس کو ترکی میں نظم کیا[1] اس کے قلمی نسخے مصر اور بانکی پور کے کتب خانوں میں موجود ہیں[2] اور یہ شرح ملا علی قاری کی شرح شمائل ترمذی بجمع الوسائل کے ساتھ مصر اور قسطنطنیہ کے مطبعوں میں چھپ چکی ہے[3]۔

"م"

---

[1] کشف الظنون جلد ۲ ص ۶۰، [2] فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر جلد اول ص ۳۶۰، و مفتاح الکنوز المخفیہ جلد اول ص ۱۰۴ [3] معجم المطبوعات ج ۲ ص ۱۱۶۹۔

وفیات

مولانا ثناء اللہ امرتسری

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر جو قیامت گذری، اس کی تاریخ قیامت تک ناقابل فراموش رہے گی، مسلمانوں کے لئے یہ سانحہ کتنا حسرتناک ہے کہ اب امرتسر سے لے کر دلّی کے کناروں تک ساری مسجدیں بے چراغ، خانقاہیں سونی، مدرسے بے نشان اور کتبخانے ویران ہو گئے، اسی حادثہ میں مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے صاحبزادہ عطاء اللہ ثنائی بحالت نماز شہید ہوئے، اُن کا کتب خانہ لُٹ گیا، اور وہ خود مع خاندان بہزار خرابی گوجرانوالہ پہنچے، اور اب خبر آئی ہے کہ انہوں نے ۱۶ مارچ ۱۹۴۸ء کو بعارضہ فالج وفات پائی، اِنّا للہ وَاِنّا الیہ راجعُون۔

مولانا ہندوستان کے مشاہیر علماء میں تھے، فنِ مناظرہ کے امام تھے، خوش بیان مقرر تھے، متعدد تصانیف کے مُصنّف تھے، مذہباً اہلحدیث تھے، اور اخبار اہلحدیث کے اڈیٹر تھے، قومی سیاسیات کی مجلسوں میں کبھی کبھی شریک ہوتے تھے،

مرحوم سے مجھے نیاز اپنی طالب علمی ہی سے تھا، وہ سال میں ایک دو دفعہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں آتے جاتے لکھنؤ آتے تھے، اور دار العلوم ندوہ میں تشریف لاکر احباب سے ملتے تھے، اسی سلسلہ میں مجھے بھی نیاز حاصل ہوا، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مرحوم مدرسہ میں تشریف لائے، میں درس میں تھا، اُن کو آتا دیکھ کر اُن کی طرف لپکا، مگر مرحوم نے میرے بجائے سبقت استاذی شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور حدیث کا یہ ٹکڑا پڑھا، کبّر الکبُر یعنی بڑے کو بڑائی دو،

مرحوم ندوہ کے رکن بھی اکثر رہے، بلکہ خود اُن کے بقول ندوہ کا پور میں اُن کی دستار بندی ہی کے
جلسہ میں پیدا ہوا، مرحوم نے ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ دنوں مدرسہ دیوبند میں پڑھا، پھر وہ کانپور آکر مدرسہ فیض عام
میں داخل ہوئے، اور یہیں ۱۳۱۴ھ میں فراغت پائی،

یہ زمانہ وہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعووں سے پنجاب میں فتنہ پیدا تھا، انھوں نے مرزا کے خلاف
صف آرائی کی، اور اس وقت سے لیکر آخر دم تک اس تحریک اور اس کے امام کی تردید میں پوری قوت صرف
کردی، یہاں تک کہ طرفین میں مباہلہ بھی ہوا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صادق کے سامنے کاذب نے وفات پائی،
یہ پرانے قصے ہیں جن کو دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں،

موجودہ سیاسی تحریکات سے پہلے جب شہروں میں اسلامی انجمنیں قائم تھیں، اور مسلمانوں اور قادیانیوں
اور آریوں، اور عیسائیوں میں مناظرے ہوا کرتے تھے، تو مرحوم مسلمانوں کی طرف سے عموماً نمایندہ ہوتے تھے،
اور اس سلسلہ سے وہ ہمالیہ سے لیکر خلیج بنگال تک ہمیشہ دواں اور رواں رہتے تھے،

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی، اور قلم اٹھایا، اس کے حملہ کو رد کرنے کیلئے ان کا
قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا، اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انھوں نے عمر بسر کردی، فجزاہ اللہ عن الاسلام خیر الجزاء
وہ مصنف بھی تھے، مخالفینِ اسلام کے اعتراضوں کے جواب میں اُن کے اکثر رسالے ہیں، ان کی
تصنیفات میں دو تفسیریں خاص ذکر کے قابل ہیں، تفسیر ثنائی اردو میں اور تفسیر القرآن بالقرآن عربی میں،
مرحوم کو خود بھی یہ تفسیریں پسند تھیں، مرحوم چونکہ مناظر تھے، اس لئے پہلی تفسیر میں آیات صفات کے بات میں
سلفی عقائد کے بجائے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی پیروی میں تاویل کی راہ اختیار کی تھی،
اس سے امرتسر کے غزنوی علمائے اہلِ حدیث نے ان کی بشدت مخالفت کی، ۱۹۲۶ء میں جب حج کی تقریب
سے خاکسار اور مرحوم اور دیگر علمائے اہلحدیث کا حجاز جانا ہوا تو یہ نزاع سلطان ابن سعود کے سامنے بھی
پیش ہوئی، اور سلطان نے کوشش کرکے فریقین میں صلح کرادی، مرحوم وہیں مجھ سے فرماتے تھے، کہ افسوس ہے

کہ نجد کے علما حضرت شاہ ولی اللہ کی قدر و قیمت سے واقف نہیں اور مجھ سے چاہتے تھے کہ میں اس باب میں
سلطان سے کچھ عرض کروں،

مرحوم کبھی کبھی قومی جلسوں میں بھی شرکت کرتے تھے، ۱۹۱۲ء میں ندوہ کی تحریک اصلاح کے سلسلہ
میں جب حکیم اجمل خاں مرحوم کی دعوت پر دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا جس میں سارے ہندوستان
کے مسلمان نمایندے شریک تھے، تو مولانا شبلی کی تحریک پر مرحوم ہی صدر مجلس قرار پائے تھے، ۱۹۱۹ء میں
جب تحریکِ خلافت کا پہلا ابتدائی جلسہ لکھنؤ میں ہوا جس میں سارے ملک کے اکابر اور مشاہیر جمع تھے
اس میں بھی مرحوم شریک تھے، ۱۹۲۵ء کی جمعیۃ العلماء کے اجلاس کلکتہ میں جس میں اس خاکسار کی صدارت
تھی، مرحوم موجود تھے، اور خاص طور سے اس لئے آئے تھے، کہ جمعیۃ کے اس اجلاس میں دار الحرب میں سود
کے مسئلہ پر بحث کرنے والے تھے، حضرت مولانا انور شاہ صاحب اور دوسرے علمائے دیوبند بھی تشریف فرما
تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر حضرات علمائے دیوبند حنفیہ کے مشہور مسلک لا ربوا بین الحربی والمسلم
فی دار الحرب پر متفق ہوں تو میں بھی تائید کروں گا، مگر علماء میں نجی گفتگو ہوکر رہ گئی، کھلے اجلاس
میں کوئی بحث نہیں ہوئی،

مرحوم ۱۹۲۶ء میں حجاز کے موتمر اسلامی میں نمایندہ اہلِ حدیث کی حیثیت سے شریک تھے، اور عربی میں
ایک دو مختصر تقریریں بھی اپنے طرز کی موتمر میں کی تھیں، مدینہ منورہ بھی حاضر ہوئے تھے، کہتے تھے، کہ جو اہلِ حدیث
یہاں نہ آئے وہ محبت سے خالی ہے، (اُن کا اصل فقرہ اس وقت پوری طرح یاد نہیں)

مرحوم کو ایک دفعہ مجھ سے شکایت بھی پیدا ہوئی، اس کی صورت یہ ہوئی کہ دس پندرہ برس
ہوئے، مرحوم اور اُن کے حنفی حریف مولانا عبد العزیز صاحب خطیب گوجرانوالہ مصنف اطراف بخاری کے
درمیان حدیث اذا قرء فانصتوا کے صحیح مسلم میں موجود ہونے یا نہ ہونے پر اخبارات میں تحریری مناظرہ
ہو رہا تھا، فریقین نے اس باب میں مجھے حکم مانا، میں نے مولانا مرحوم سے کچھ پوچھے بغیر صرف دونوں کی تحریروں

کو دیکھ کر فیصلہ مرحوم کے خلاف اور مولانا عبدالعزیز صاحب کے موافق کیا، جس پر مرحوم نے مجھ کو لکھا تھا کہ بسمع من کلا آخر کی بنا پر طرف ثانی کا بیان سنے بغیر آپ نے فیصلہ کیسے کر دیا، مگر ان کی یہ شکایت محض مناظرانہ تھی، ورنہ اس کے بعد بھی ان کی شفقت میرے حال پر ویسی ہی رہی، ڈاکٹر اقبال کی وفات کے بعد جب میرا لاہور جانا ہوا، اور اُن کو خبر ہوئی تو مجھے پیغام بھیجا کہ واپسی میں اُن سے ملے بغیر نہ جاؤں، چنانچہ واپسی میں امرتسر اترا، اور اُن کے پاس دو دن ٹھہرا، اور بہت سی باتیں ہوئیں، جن میں سے ایک جیسا کہ خیال آتا ہے اہل حدیث کے انتشار اور پراگندگی کی گفتگو تھی، میں مرحوم کو لکھتا رہتا تھا کہ آپ آمین اور رفع یدین جیسے مسائل فقہ پر جن کا ہر پہلو جائز اور ثابت ہو، مناظرانہ تحریروں میں وقت ضائع نہ کریں مگر وہ اُن کی اہمیت پر بھی مصر تھے،

ان کی عمر میرے خیال میں اسی سے کچھ متجاوز ہو گی، ابھی چند سال ہوئے وہ گر پڑے تھے، جس سے کولھے کی ہڈی پر چوٹ لگی تھی، جس کے سبب سے وہ چلنے پھرنے سے معذور سے ہو گئے تھے، پنجاب کے گذشتہ حادثہ میں جوان بیٹے کی مفارقت کا اثر یقیناً بڑا ہوگا، لیکن اُس کے بعد پاکستان و ہندوستان کے درمیان جو دیوار قائم ہو گئی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مجھ کو مرحوم کی وفات کی اطلاع بھی اس سے پہلے نہیں ہوئی، اور یہ اطلاع بھی جمعیۃ العلماء دہلی کے تازہ جلسہ میں تعزیت کی تجویز سے ہوئی، انا للہ، اگر کوئی صاحب اُن کی وفات کی تاریخ روز و وقت مقام سے مطلع کریں تو ممنون ہوں گا،

مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے، زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا، اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا، وہ وہی ہوتے، اللہ تعالیٰ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا فرمائیں،

مولانا ابو البرکات عبد الرؤف داناپوریؒ

مہینوں سے اخبار نہیں پڑھتا، کہ ان کو پڑھکر ایک ایسے شخص کو جو ملک میں ہر طرح امن و امان اور مہر و محبت کا طالب ہو دلی صدمہ پہنچتا ہے، اسی لئے مولانا کی وفات کی خبر اُن کے صاحبزادوں کے خطوط سے ہوئی، میں نے اُن کے صاحبزادوں کو لکھا کہ مرحوم کے کچھ ابتدائی تعلیمی حالات مجھ کو لکھ کر بھیجیں،

لیکن ان کا پھر کوئی جواب نہیں آیا، البتہ اخبارات کے چند تراشے ملے، جن میں وفات کی خبر کے سوا کچھ اور نہ تھا،

مرحوم کا وطن صوبہ بہار میں شہر داناپور متصل پٹنہ تھا، مگر وہ ایک عرصہ سے کلکتہ میں طبیب کی حیثیت سے مقیم تھے، اور گویا اب وہی اُن کا گھر ہو گیا تھا، مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ انھوں نے تعلیم و تربیت کن اساتذہ سے حاصل کی، مگر گفتگو اور تحریر سے پتہ چلتا تھا کہ ان کو علوم دینیہ میں پوری دستگاہ حاصل تھی، پھر کلکتہ میں رہکر اور سیاسی مجلسوں میں شرکت کے سبب سے وہ زمانہ کے ضروریات اور عصری خیالات و افکار سے پوری طرح آگاہ تھے، اور ان علماء میں تھے، جو قدیم علوم و اعتقادات فقہ کو جدید خیالات و افکار سے تطبیق دینے کی قدرت رکھتے ہیں،

میری اُن کی پہلی جان پہچان اس وقت ہوئی، جب میں ۱۹۱۳ء میں الہلال کلکتہ کی ادارت میں شرکت کے لئے کلکتہ پہنچا، اور اس تقریب سے کئی مہینہ کلکتہ رہنے کا اتفاق ہوا تو مختلف جلسوں میں ان سے گفتگو، بات چیت اور میل جول کی نوبت آئی، پھر ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء میں مجلس علمائے بنگالہ کی صدر کی حیثیت سے جب میرا کلکتہ جانا ہوا، اور یہ وہ وقت تھا، جب اسی کے ساتھ لیگ اور کانگریس کے سالانہ اجلاس بھی وہاں ہو رہے تھے، اور ہندو اور مسلمان تمام ملک کے نمایندے وہاں جمع تھے، اور بیت المقدس کی انگریزی فتح کا حادثہ تازہ تھا، اور طبائع میں بڑا ہیجان تھا، مرحوم سے ملنے کا موقع ہاتھ آیا، اور خیال آتا ہے کہ اُن کے قیامگاہ پر بھی جانے کا اتفاق ہوا، جو چونا گلی میں تھی، اور جہاں مرحوم نے وفات پائی،

۱۹۱۹ء میں ہندوستان میں ایک مسئلہ زیر بحث تھا، اور وہ یہ کہ پنجاب کی ایک مسلمان عورت نے جو اپنے شوہر کے مظالم اور عدم نفقہ سے تنگ آچکی تھی، اس سے چھٹکارے کے لئے علماء سے استفتاء کیا تھا، مفتی عبد اللہ صاحب ٹونکی نے حنفیہ کے مسلک کے مطابق اس کو جواب دیا، کہ اسلام میں اس کے لئے کوئی مخلص نہیں، اس پر آریہ اخباروں نے اسلام کو اس کی تنگ دامانی کا طعنہ دیا، اس کو پڑھ کر مولانا ابو الکلام نے بعض فقہائے تابعین اور ائمہ فقہ کے مسلک کے مطابق مولانا ٹونکی کے فتووں کی تردید کی،

اور لکھا کہ تین ماہ کے انتظار کے بعد بھی اگر شوہر اپنی بیوی کے نان ونفقہ کا انتظام نہ کرے اور بیوی مطالبہ کرے تو قاضی زوجین میں تفریق کرسکتا ہے، مولانا دانا پوری نے مولانا ابوالکلام کے فتوی کی تغلیط کی اور کلکتہ کے اخبارات میں ایک مفصل مضمون اس کے جواب میں لکھا، یہ معارف کی اشاعت کا پہلا سال تھا، خاکسار نے ان تینوں صاحبوں کے فتووں پر ایک محاکمہ لکھا، جو معارف کی پہلی جلد میں زوجۂ غیر منفق علیہا کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اور جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ نہ تو مطلقاً مولانا ابوالکلام کا فتوی صحیح ہے اور نہ مولانا عبدالرؤف صاحب کا، اور نہ تو مولانا ابوالکلام کی وسعت صحیح ہے اور نہ مولانا دانا پوری کی تنگی، بلکہ یہ سب فتوے الگ الگ مختص حالات سے مخصوص ہیں، کسی کہنے والے نے مجھ سے نقل کیا، کہ مولانا دانا پوری نے میرے اس مضمون کو پڑھ کر فرمایا کہ ہاں! یہ مضمون ایک پڑھے لکھے شخص کا ہے۔

پھر مرحوم سے جمعیۃ العلماء کلکتہ کے اجلاس کے موقع پر ملاقات ہوئی، اور آخری ملاقات اکو دس برس ہوئے اس وقت ہوئی جب مسلم تعلیمی کانفرنس علی گڈھ کا اجلاس کلکتہ میں ہوا جس میں کمال یار جنگ تعلیمی تحقیقاتی کمیٹی مقرر ہوئی تھی، یہ وقت ملکی سیاسیات کے ایک نئے پہلو کا تھا۔

مرحوم سیاسیات میں جمعیۃ العلما کے ساتھ تھے، اور اس کے بعض جلسوں کی صدارت بھی کرچکے تھے، لیکن آخر میں وہ اس سے الگ ہوکر مسلم لیگ میں منسلک ہوگئے تھے اور جمعیۃ علمائے اسلام میں داخل ہوگئے تھے، اور اس حیثیت سے وہ بنگال کی اسلامی سیاست پر بہت اثر انداز تھے۔

مرحوم علوم دینیہ کے علاوہ زمانۂ حال کے حالات وخیالات سے بھی پوری طرح باخبر تھے، جس کا ثبوت ان کے وہ مختلف خطبات ہیں جو انھوں نے مختلف مجلسوں میں پڑھے، ان کا جمعیۃ العلماء کا خطبۂ صدارت ان کی سیاسی بصیرت کا آئینہ ہے، چند سال ہوئے جامعہ ملیہ دہلی میں اسلام کے سیاسی ومعاشی اور دوسرے عصری مشکلات پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اہل بصیرت نے اس کی بیحد قدر کی، ان کی زندگی کا سب سے آخری کارنامہ ابھی چند ماہ ہوئے مشرقی بنگال کے ایک مذہبی وتبلیغی جلسہ میں ان کا حکیمانہ خطبہ ہے،

جس میں پاکستان کی سیاسی حیثیت اور سیاسی مجبوریوں کی بناپر اصول خلافت کی بنیاد پر حکومت کی تاسیس کی معذوریوں کا بیان تھا، یہ خطبہ بھی ان کی سیاسی فہم وتدبر کا نمونہ ہے۔

مرحوم ایک ممتاز طبیب، ایک مشہور عالم، ایک خوش بیان خطیب اور ایک متکلم ہونے کے ساتھ مصنف بھی تھے، چنانچہ ان کی تصنیفات میں سب سے اہم کتاب اصح السیر ہے، جو افسوس ہے کہ ان کی وفات سے ناتمام رہی۔

مولانا اونچا سنتے تھے، اس لیے ہمیشہ ایک آلہ ساتھ رکھتے تھے، جس کو لگا کر دوسروں کی بات سنتے تھے، تاہم ان سے ملنے جلنے والوں کا بڑا حلقہ تھا، اور کلکتہ میں ان کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اہل علم اور اہل سیاست دونوں میں ان کا خیر مقدم تھا، وہ متواضع، سادہ مزاج اور خلیق تھے، چھوٹے بڑے سب سے یکساں ملتے تھے۔

مرحوم کی عمر اس وقت ۷۰ سال کی تھی، جس کے معنی یہ ہیں کہ ۱۸۷۷ء میں انکی ولادت ہوئی ہوگی، ۱۹ فروری ۱۹۴۷ء کی صبح کو جمعرات کے دن ۸ بجے کے قریب ان کی علالت کی ابتدا ہوئی، فرمایا کہ بخار معلوم ہوتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد جاڑا معلوم ہوا، دن بھر کچھ بخار رہا، مغرب کی نماز تک کوئی خاص بات نہ تھی، ساڑھے سات بجے شام سے حالت بگڑی، یہان تک کہ رات کو ایک بجے داعی اجل کو لبیک کہا، مرحوم کی وفات سے کلکتہ کی سرزمین علم وعرفان کے نور سے محروم ہوگئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو روشن کرے۔ "س"

یعقوب بخش راغب قادری بدایونی

پروفیسر ضیاء احمد بدایونی (لکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) کے خط سے یہ معلوم کرکے دل کو بڑا رنج ہوا کہ میرے پرانے دوست مولوی یعقوب بخش صاحب راغب بدایونی نے ۲۱ فروری ۱۹۴۷ء کو علی گڈھ میں جہاں وہ دینیات کے استاد تھے، اچانک قلب کی حرکت بند ہوجانے سے وفات پائی، جنازہ

علی گڈھ سے بدایون لے جایا گیا، اور درگاہ قادریہ مین وہ سپرد خاک ہوئے، عمر غالباً ساٹھ سال کے قریب ہوگی،

مرحوم بدایون کے ایک نامور اور صاحب علم گھرانے سے تھے، ان کے پرنانا مولوی علی بخش صاحب صدر الصدور تھے، جن سے سر سید کے تحریری مناظرے رہے ہین، کیا عجیب بات ہے کہ اس کا پرنانی جس کا پرنانا سر سید سے ایسا مذہبی اختلاف رکھتا تھا جس مین کفر و اسلام تک کا تفرقہ تھا وہ سر سید کی تعلیم گاہ مین دینیات کا مدرس ہو کر رہا،

مرحوم سے میرے تعلقات بڑے پرانے تھے، ان کا آغاز شعر و سخن سے ہوا، مرحوم اردو کے اچھے شاعر تھے، انھون نے اپنا کلام مجھے میری رائے معلوم کرنے کو بھیجا، مین نے اس کی بڑی داد دی، اور اس طرح مکاتبت کا سلسلہ جاری ہوا، پھر تحریک خلافت کے زمانہ مین محب عزیز (جن کا نام اب بھی محبت کے ساتھ زبان پر آتا ہے) مولانا عبد الماجد صاحب مرحوم بدایونی کے توسط سے معرفت اور شناسائی کا تعلق دوستی سے بدل گیا، ملاقات کا اتفاق بدایون کے ایک جلسۂ خلافت کے سلسلہ مین ہوا، جس مین مولوی عبد الماجد صاحب بدایونی مجھے صدر بنا کر لے گئے تھے، اور کئی روز ان کے مکان پر ٹھہرنا پڑا،

مرحوم عربی کے بڑے عالم، ادب و لغت کے فاضل اور ہیئت و نجوم کے استاد تھے، عربی مین قصیدے بہت لکھے اور بہت اچھے لکھے، بدایون کے سلسلۂ قادریہ مین حب رسول کی بنا پر سیادت سے بے انتہا شیفتگی ہوتی ہے، اس سلسلہ مین مرحوم کو مجھ "بدنام کنندۂ نکونامے چند" سے بھی محبت کی عقیدت تھی، چنانچہ اپنے عربی قصیدون کو میری طرف نسبت دیکر میری عزت بڑھائی، ہیئت و نجوم سے ان کو خاص ذوق تھا، ان کے گھر مین بزرگون کا اندوختہ بڑا اچھا کتبخانہ تھا، جس مین بعض نادر قلمی کتابین تھین، انھین مین محقق طوسی اور دوسرے قدیم مسلمان علماے ہیئت کے قدیم رسالے تھے، مرحوم نے اپنے ذوق سے ان کو پڑھ کر اور صحیح کر کے الانجم الطوالع کے

نام سے شائع کیا، مہر شاہ سلیمان مرحوم کے اشارہ سے علامہ بیرونی کی قانون مسعودی کے کچھ اجزاء کا اردو مین ترجمہ کیا تھا،

حدیث مین ان کا سلسلۂ تلمذ مولانا سید یونس علی صاحب بدایونی کے واسطے سے خاندان ولی اللّٰہی تک اور معقول مین مولانا محب احمد صاحب بدایونی کے توسط سے خانوادہ خیرآباد تک منتہی ہوتا ہے، دو شاعری مین شیخ احمد علی شوق لکھنوی کے شاگرد تھے، اور بیعت سلسلۂ قادریہ مین مولانا عبد القادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے حاصل تھی، عقیدہ مین سخت حنفی سنی قادری تھے تاہم اس سختی مین لچک اتنی تھی، کہ مجھ جیسے نرم و گرم سے بھی نباہ کر لیتے تھے،

پہلے گھر ہی پر بدایون مین پڑھنے پڑھانے کا شغل رکھتے تھے، ۱۹۳۶ء مین مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات مین مقرر ہو کر علی گڈھ منتقل ہو گئے تھے،

مرحوم کی دوستی کا ایک نادر تحفہ یہ تھا کہ جب ان کا جی چاہتا، بدایون کے پیڑے ڈاک کی اعظم گڈھ بھیجتے اور اس کے معاوضہ مین صرف ایک تشکر کا ہدیہ کافی سمجھتے، ان کا سب سے اخیر خط مجھے بھوپال مین ملا، جس مین اپنے ہونہار صاحبزادہ کا تعارف مجھ سے کرایا تھا، اللہ تعالیٰ ان صاحبزادہ کو علم دنیا کے ساتھ علم دین کا حصہ بھی عنایت کرین، اور اپنے بزرگون کے نقش قدم پر قائم رکھین، "س"

سیر انصار حصہ اول

اس مین انصار کرام کے حالات و سوانح اور ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی، اور سیاسی کارنامون کی بڑی تفصیل کی گئی ہے، اس سے پہلے ایک بسیط مقدمہ مین انصار قبل از اسلام کی مفصل تاریخ، اُن کے نسب نامے، آداب و تمدن، اور معاشرت و اخلاق کو نمایان کیا گیا ہے، اس طرح یہ حصہ انصار کی تاریخ قبل الاسلام اور بعد الاسلام کا ایک بہترین مجموعہ بن گیا ہے، طبع دوم ضخامت ۴۱۲ صفحے، قیمت حصہ دوم سے،

"منیجر"

ادبیات

خلیفۂ اول کا کفن

از جناب محمود اسرائیلی

وقتِ وصال احمدِ مرسلؐ کا یارِ غار — کہتا تھا عائشہؓ سے کہ نورِ نگاہِ من

جب تین چادرون مین پیمبرؐ ہوئے تھے دفن — اتنا ہی میرے واسطے کافی ہے بس کفن

اک چادر اور ہو مری میت کے واسطے — موجود میرے تن پہ ہیں دو چادرین کہن

کی عرض عائشہؓ نے کہ اے محترم پدر — اے مایہ دار خلقِ نبیؐ، نازشِ وطن

اے آسمانِ صدق کے تابندہ ماہتاب — اے محفلِ رسولؐ کے فانوسِ ضوفگن

اے بعد انبیاے جہان افضل البشر — شاداب جس کے دم سے نبوت کا ہے چمن

اے منبعِ سخاوت و احسان و حلم و زہد — اے معدنِ تدبر و داناے علم و فن

اے وہ کہ جس کی ذات ہے بیکس کی پردہ دار — لیتا ہے جس سے جامۂ نو ہر برہنہ تن

یہ امر اقربا کو گوارا ہو کس طرح — اس کے کفن کے واسطے ہو چادرِ کہن

توفیق دی ہے ہم کو بہت رب کریم نے — تکفین کی غرض سے خریدین نیا کفن

دختر کی التجا کا پدر نے دیا جواب — جو تھا فداے شیوۂ سرکارِ ذوالمنن

"اے نورِ دیدہ تجھکو یہ بات تک خبر نہین — ہوتا ہے ریم و خون ہی کی خاطر فقط کفن

زیبا ہین جسمِ زندہ ہی کو جامہ ہاے نو — شایان ہین مردہ تن کے لئے جامہ کہن

مطبوعات جدیدہ

حکومتِ الٰہیہ:- مترجمہ جناب رئیس احمد صاحب جعفری ندوی تقطیع اوسط ضخامت ۲۵۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ہے سکۂ عثمانیہ عہ کلدار، پتہ:- نفیس اکیڈمی عابد روڈ حیدرآباد دکن،

حکومتِ الٰہیہ یعنی اسلامی نظام حکومت پر اردو مین بکثرت مضامین لکھے جاچکے ہین، اور بہت سی کتابین تالیف و ترجمہ ہو چکی ہین، مذکورۂ بالا کتاب مصر کے ایک صاحب قلم عبدالوہاب خلاف انسپکٹر محاکم شرعیہ کی کی تالیف السیاستہ الشرعیۃ کا ترجمہ ہے، اس مین حسب ذیل ابواب ومباحث ہین، بنجملہ گفتنی اسلام اور سیاستِ عادلہ، اسلامی حکومت کا دستور و آئین، اسلام مین تقسیم اختیار، خلافت، حکومت، اسلام کا محکمہ خارجہ یعنی غیر اقوام کے تعلقات کے قوانین، جنگی احکام، صلح وامن کے احکام، مالی نظام، حکومت کے مالی ذرائع اس کے مصارف، اس کا آمد و خرچ، جیسا کہ ان ابواب سے ظاہر ہے اس مین اسلامی نظام حکومت کے ان تمام شعبون پر جو کسی حکومت کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہین، بحث کی گئی ہے، یہ مباحث عالمانہ اور مبصرانہ ہین، خصوصاً پہلے دو باب جن مین اسلامی تعلیمات اور اسلامی نظام حکومت کے متعلق اصولی مباحث ہین، زیادہ اہم ہین، منجملہ گفتنی مین بتایا گیا ہے، کہ اسلام کا قانون چونکہ دائمی اور ہر زمانہ کے لئے ہے اور ہر زمانہ کی ضروریات بدلتی رہتی ہین، اس لئے قرآن مجید اور احادیث نبوی مین جو اسلامی تعلیمات کا اصل ماخذ ہین، انسانی زندگی مختلف شعبون کے متعلق صرف بنیادی اور اصولی تعلیمات ہین، اور اس کی تفصیل مجتہدین کی راے پر چھوڑ دی گئی ہے، کہ وہ اپنے زمانہ کے حالات وضروریات کے لحاظ سے ان بنیادون

ادبیات

خلیفۂ اوّل کا کفن

از جناب محمود اسرائیلی

وقتِ وصال احمدِ مرسلؐ کا یارِ غار
کہتا تھا عائشہؓ سے کہ نورِ نگاہ من

جب تین چادرون مین پیمبرؐ ہوئے تھے دفن
اتنا ہی میرے واسطے کافی ہے بس کفن

اک چادر اور ہو مری میّت کے واسطے
موجود میرے تن پہ ہیں دو چادرین کہن

کی عرض عائشہؓ نے کہ اے محترم پدر
اے مایہ دار خلقِ نبیؐ، نازشِ وطن

اے آسمانِ صدق کے تابندہ ماہتاب
اے مخملِ رسولؐ کے فانوس ضوفگن

اے بعد انبیاے جہان افضل البشر
شاداب جس کے دم سے نبوت کا ہے چمن

اے منبعِ سخاوت و احسان و حلم و زہد
اے معدن تدبر و دانائے علم و فن

اے وہ کہ جس کی ذات ہے ہر بیکس کی پردہ دار
لیتا ہے جس سے جامۂ نو ہر برہنہ تن

یہ امر اقربا کو گوارا ہو کس طرح
اس کے کفن کے واسطے ہو چادر کہن

توفیق دی ہے ہم کو بہ ربِ کریم نے
تکفین کی غرض سے خرید ین نیا کفن

دختر کی التجا کا پدر نے دیا جواب
جو تھا فدائے شیوۂ سرکار ذوالمنن

"اے نورِ دیدہ تجھکو یہ اب تک خبر نہین
ہوتا ہے ریم و خون ہی کی خاطر فقط کفن

زیبا ہین جسمِ زندہ ہی کو جامہ ہاے نو
شایان ہین مردہ تن کے لئے جامہ کہن

مطبوعاتِ جدیدہ

حکومتِ الٰہیہ:- ترجمہ جناب رئیس احمد صاحب جعفری ندوی تقطیع اوسط ضخامت ۲۵۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ہے سکہ عثمانیہ عہ کلدار، پتہ:- نفیس اکیڈمی عابد روڈ حیدرآباد دکن،

حکومتِ الٰہیہ یعنی اسلامی نظامِ حکومت پر اردو مین بکثرت مضامین لکھے جا چکے ہین، اور بہت سی کتابین تالیف و ترجمہ ہو چکی ہین، مذکورۂ بالا کتاب مصر کے ایک صاحبِ قلم عبد الوہاب خلاف انسپکٹر محاکم شرعیہ کی کی تالیف السیاستہ الشرعیۃ کا ترجمہ ہے، اس مین حسب ذیل ابواب ومباحث ہین، انتہائے گنفتگی اسلام اور سیاستِ عادلہ، اسلامی حکومت کا دستور و آئین، اسلام مین اقتدار و اختیار، خلافت، حکومت، اسلام کا محکمۂ خارجہ یعنی غیر اقوام کے تعلقات کے قوانین، جنگی احکام، صلح و امن کے احکام، مالی نظام، حکومت کے مالی ذرائع اس کے مصارف، اس کا آمد و خرچ، جیسا کہ ان ابواب سے ظاہر ہے اس مین اسلامی نظامِ حکومت کے ان تمام شعبون پر جو کسی حکومت کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہین، بحث کی گئی ہے، یہ مباحث عالمانہ اور مبصرانہ ہین، خصوصاً پہلے دو باب جن مین اسلامی تعلیمات اور اسلامی نظامِ حکومت کے متعلق اصولی مباحث ہین، زیادہ اہم ہین، انتہائے گنفتگی مین بتایا گیا ہے، کہ اسلام کا قانون چونکہ دائمی اور ہر زمانہ کے لئے ہے اور ہر زمانہ کی ضروریات بدلتی رہتی ہین، اس لئے قرآن مجید اور احادیث نبوی مین جو اسلامی تعلیمات کا اصل ماخذ ہین، انسانی زندگی مختلف شعبون کے متعلق صرف بنیادی اور اصولی تعلیمات ہین، اور اس کی تفصیل مجتہدین کی راے پر چھوڑ دی گئی ہے، کہ وہ اپنے زمانہ کے حالات وضروریات کے لحاظ سے ان بنیادون

پر نئے مسائل کی تفریع اور ان کا استنباط کرتے رہیں، اور خلفاے راشدین، صحابۂ کرام اور قرنِ اول کے ائمہ و مجتہدین کے عمل سے اس کی مثالیں دی گئی ہیں، اور اجتہاد کا دروازہ بند کر دینے کے اسباب اور اس کی خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں، دوسرے باب میں حکومت کے بارہ میں اسلام کے اصولی اور کلی قوانین کو بیان کیا گیا ہے، باقی ابواب میں دوسرے اہم شعبوں کی تفصیل ہے، ان میں دورِ جدید کے نقطہاے نظر اور ان کے نظاموں اور دستوروں کو خاص طور سے پیشِ نظر رکھا گیا ہے، اور بڑی حد تک صحیح اسلامی نقطۂ نظر کی ترجمانی کی گئی ہے، لیکن اجتہاد و حقِ تشریع، اسلام میں اقتدار و اختیار، شخصی حریت و آزادی، اور اس قبیل کے بعض دوسرے مسائل میں کہیں کہیں جدید اثرات نمایاں ہو گئے ہیں، گو اُن کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی گئی ہے لیکن جس زور و قوت کے ساتھ مذکورۂ بالا امور کی حمایت کی گئی ہے، اس کے مقابلہ میں دفع و حلِ تضاد کا پلہ ہلکا ہے، ان پہلوؤں سے قطع نظر اور تمام حیثیتوں سے اردو میں اس موضوع پر جس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں، ان سب میں یہ کتاب امتیازی حیثیت رکھتی ہے، لائق مترجم ایک مشاق صاحبِ قلم ہیں، اس لئے ترجمہ نہایت سلیس اور شگفتہ ہے،

مسلم سماج از فاطمہ ثریا صاحبہ حمیدی تقطیع اوسط ضخامت ۲۳۰ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد سے ۳ پتہ حمایت نگر، بنگلہ نواب نثار یار جنگ بہادر حیدر آباد دکن،

آج کل تربیت کی خرابی اور غیر اسلامی ماحول کے اثر سے نوجوان تعلیم یافتہ لڑکوں اور لڑکیوں کو عموماً اپنے مذہب و روایات سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا، اُن کی روشن خیالی کی معراج مذہب سے آزادی، اور ان کی تعلیمی استعداد کا منظر ترقی پسند ادب اور حسن و عشق کی داستان سرائی ہوتی ہے، زندگی کے سنجیدہ پہلوؤں اور دینی و اخلاقی فرائض کی جانب ان کی نظر نہیں جاتی، لیکن ہر کلیہ میں مستثنیات ہوتے ہیں، مصنفہ بھی انہی مستثنیات میں ہیں، انھوں نے مسلم سماج میں دنیوی، اور دینی دونوں پہلوؤں سے ایک مسلمان کی معیاری زندگی کو افسانہ کی شکل میں پیش کیا ہے، اور مذہب کا احترام، اس کی پابندی، جدید تعلیم کے ساتھ اسلامی

تربیت، اخلاق و سیرت کی اصلاح، مذہبی حقوق و فرائض کی ادائگی، دنیاوی ترقی کے اسلامی اصولوں پر عمل، اور موجودہ دور کی محنت و سرمایہ کی کشمکش اور اس کے حل کو خوبی کے ساتھ دکھایا ہے، یہ کتاب ہونہار مصنفہ کی پہلی قلمی کوشش، اور ایک اصلاحی افسانہ ہے، اس لیے اس کو ناول نگاری کے فنی معیار سے نہ دیکھنا چاہیئے، اس حیثیت سے وہ خامیوں سے خالی نہیں، لیکن جس مقصد سے لکھی گئی ہے، اس میں پوری طرح کامیاب ہے، امید ہے کہ مشق و مہارت سے انکی خامیاں دور ہو جائیں گی، اور ہونہار مصنفہ کی یہ کوشش قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی،

بہار اور اردو شاعری از جناب محمد معین الدین صاحب دردائی ایم اے علیگ تقطیع چھوٹی، ضخامت :- ۱۶۵ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت اوسط، قیمت ۲ روپیہ، پتہ طیب حسن اینڈ برادرس اسلامیہ بک ڈپو آرہ،

دہلی اور لکھنؤ کے بعد اردو شاعری کا تیسرا مرکز عظیم آباد تھا، اور ہر دور میں یہاں بڑے بڑے شعرا پیدا ہوئے، اور آج بھی بہار خوش گو شاعروں سے خالی نہیں ہے، مصنف نے اس کتاب میں بہار میں اردو زبان کی مختصر تاریخ بیان کی ہے، اور مرزا بیدل سے لے کر اس زمانہ تک ہر دور کے شعرا کا مختصر تذکرہ کیا ہے، اور ان کے کلام کا نمونہ دیا ہے، جس سے بہار میں اردو شاعری کی تاریخ کا سرسری اندازہ ہو جاتا ہے، کتاب میں طباعت و کتابت کے اغلاط کے علاوہ جس کا اعتراف خود مصنف کو ہے، اور بھی بعض غلطیاں نظر آئیں، مثلاً سطر کا سطر اڑا دیا گیا ہے "وہ بھی میرے شناساں نہ نکلے" اپنا پیام نجات کو، اس قسم کی فرو گذاشتیں اور بھی ہیں،

عطر الوردین مرتبہ جناب حکیم سید محمد شعیب صاحب رضوی دعون احمد صاحب قادری تقطیع بڑی ضخامت ۳۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۲؍ پتہ مولوی محبوب عالم صاحب خانقاہ مجیبی پھلواری شریف، پٹنہ،

حضرت مولانا شاہ بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ امیر شریعت صوبہ بہار اور اُن کے جانشین مولانا شاہ محمد محی الدین پھلواروی، علم و عمل اور شریعت و طریقت کی جامعیت کے ساتھ شعر و سخن کا بھی ذوق رکھتے تھے، اور فارسی مین فکر و سخن فرماتے تھے، عطر الورد دین ان کے کلام کا مجموعہ ہے لیکن شاعری کو انھون نے مشغلہ نہین بنایا، بلکہ تفنن طبع کے طور پر کبھی ادھر بھی توجہ ہو جاتی تھی، اس لئے ان کا کلام مختصر ہے، مگر جس قدر ہے، توحید و معرفت، اور حُبِ رسول کے جذبات سے لبریز ہے، اس لحاظ سے یہ مجموعہ اس بادہ کے لذت شناسون کے لئے صحیح معنون مین عطر الورد دین کی حیثیت رکھتا ہے، امید ہے کہ وہ اس کی نکہت سے لطف اندوز ہون گے،

نمونۃ المعرب از پروفیسر سیف بن حسین القطبی ایم اے، پروفیسر احمد بن ناصر العیسری استاذ عربی عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدرآباد دکن،

عربی زبان کے طلبہ کے لئے عرصہ سے ایک مستند "عربی اردو" اور "اردو عربی" لغت کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، اول الذکر لغت کی ترتیب کا کام عرصہ ہوا لائق مصنفین نے شروع کیا تھا، اور اس کا ایک حصہ لکھا بھی جا چکا ہے، لیکن ابھی پورا نہین ہو سکا ہے، خوشی کا مقام ہے، کہ اردو عربی لغت کی تدوین حیدرآباد کے دو فاضلون نے جو غالبًا وہان کے متوطن عرب ہین، اور جن کو عربی زبان کے ساتھ اردو پر بھی پورا عبور ہے، شروع کی ہے، اور اس کا مطبوعہ نمونہ اظہار راے کے لئے ہمارے پاس بھیجا ہے، اس مین، الف، ب، پ اور گ کے اردو کے مفرد و مرکب الفاظ، مصطلحات اور اُن کے عربی مترادفات کے نمونے ہین، جو محض ترجمہ نہین بلکہ اہل زبان کی فصیح عربی ہے، اس لغت سے ایک بڑی کمی پوری ہو گی، اور اردو مین ایک مستند اور قابل اعتماد، اردو عربی لغت کا اضافہ ہو گا، جس سے عربی کے طلبہ کو بڑی سہولت ہو جائیگی، اس لحاظ سے فاضل مولفین کی علمی خدمت بڑی قابل قدر ہے،

"م"

جلد ۶۱ ماہ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۸ء عدد ۶

مضامین

مقالات

استفسار و جواب

ادبیات